صنعتیت کا عہد

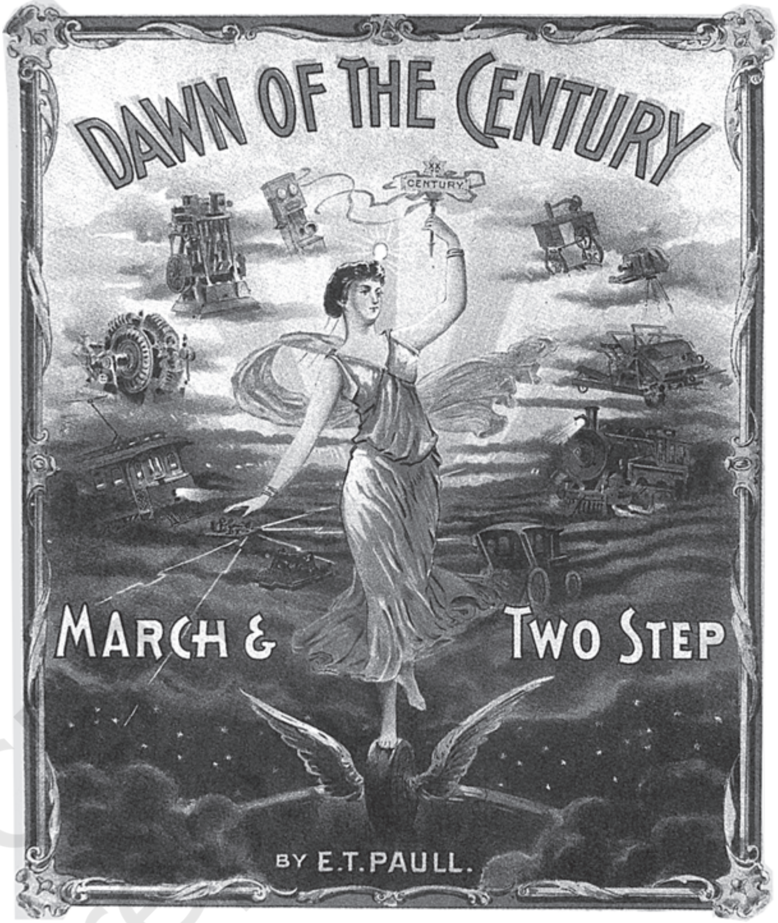

شکل 1—صدی کی صبح، ناشر: ای۔ ٹی پال میوزک کمپنی، نیویارک، انگلینڈ، 1900۔

1900 میں ایک مشہور میوزک پبلشر ای ٹی پال نے موسیقی کی ایک کتاب شائع کی جس کے سرورق پر ایک تصویر تھی، عنوان تھا صدی کی صبح، (شکل 1) جیسا کہ آپ دیکھ سکتے ہیں کہ تصویر کے بیچ میں کسی دیوی کی سی ایک تصویر ہے۔ ترقی کا فرشتہ، نئی صدی کا پرچم لیے ہوئے۔ وہ پروں والے ایک پہیے پر بڑی نزاکت کے ساتھ کھڑی ہے۔ پہیا وقت کی علامت ہے۔ اس کی پرواز اسے مستقبل کی طرف لیے جاری ہے۔ اس کے چاروں طرف ہوا میں تیرتی ہوئی ریلیں، کیمرہ، مشینیں، چھاپہ خانے اور فیکٹری ترقی کی علامتیں ہیں۔

مشینوں اور ٹکنالوجی کی یہ عظمت ایک دوسری تصویر میں اور زیادہ نمایاں ہے جو سو سال سے زیادہ پہلے ایک تجارتی میگزین میں شائع ہوئی تھی (شکل 2) اس تصویر میں دو جادوگر دکھائے گئے ہیں۔ ایک جو اوپر ہے علاالدین مشرق (orient) سے ہے جس نے اپنے جادوئی چراغ کی مدد سے

نئے الفاظ

مشرق (orient)۔ بحر روم کے مشرق کے ممالک۔ عموماً مراد ایشیا سے ہوتی ہے۔ اصطلاح مغرب کے اس نقطہ نظر کے تحت بنی ہے کہ یہ علاقہ جدیدیت سے قبل کا ہے، روایت پسند ہے اور پُر اسرار ہے۔

ایک شاندار محل بنایا۔ نیچے جو تصویر ہے وہ آج کے (modern) میکنیک کی ہے، جو اپنے جدید اوزاروں سے ایک نیا سحر بُنتا ہے۔ پل بناتا ہے، جہاز بناتا ہے مینار اور بلند و بالا عمارتیں تعمیر کرتا ہے۔ علاالدین کو مشرق اور ماضی کی نمائندگی کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے، جب کہ مکینک مغرب اور جدیدیت کا نمائندہ ہے۔

شکل.2— دو جادوگر، ان لینڈ پرنٹرس میں شائع ہوئی، 26 جنوری 1901

یہ شبیہیں نئی دنیا (Modern World) کو ایک بڑی کامیاب و کامران دنیا کی شکل میں ہمارے سامنے پیش کرتی ہیں۔ اس شکل میں دنیا کا تعلق تیز رفتار ٹکنالوجیکل تبدیلیوں اور اختراعات سے ہے، مشینوں اور فیکٹریوں، ریلوے اور دفاعی جہازوں سے ہے۔ اس لیے صنعتکاری کی تاریخ سیدھی سادھی فروغ ونشو ونما کی کہانی ہوجاتی ہے اور عہد جدید، ٹکنالوجیکل ترقیات کے ایک حیرت انگیز زمانہ کی طرح ہمارے سامنے آتا ہے۔

یہ شبیہیں اور یہ رشتے اب عوامی تخیل کا حصہ بن گئے ہیں۔ کیا آپ تیز رفتار صنعتکاری کو ترقی اور جدیدیت کا زمانہ نہیں سمجھتے؟ کیا آپ ریلوں فیکٹریوں کی فراوانی اور فلک بوس عمارتوں اور پلوں کو سماج کی ترقی کی علامت نہیں سمجھتے؟

یہ شبیہیں بنیں کیسے؟ اور ہم ان خیالات وتصورات کو باہم ہم آمیز کیوں کر کرتے ہیں؟ کیا صنعتیت کی بنیاد ہمیشہ تیز رفتار ٹکنالوجیکل ترقی رہی ہے؟ کیا ہم تمام کاموں کے مسلسل میکنا ئزیشن کے گن آج بھی گا سکتے ہیں؟ لوگوں کی زندگیوں کے حوالے سے صنعتیت کا مطلب کیا رہا ہے؟ ان سوالوں کے جوابات کے لیے ہمیں صنعتیت کی تاریخ کے اوراق پلٹنے ہوں گے۔ اس باب میں ہم پہلے صنعتی ملک برطانیہ پر اپنی توجہ مرکوز کرکے اس تاریخ کو دیکھیں گے۔ پھر ہندوستان پر نظر ڈالیں کہ جہاں صنعتی تبدیلیوں پر نوآبادیاتی حکومت کا سایہ رہا ہے۔

سرگرمی

دو ایسی مثالیں دیجیے جو جدید فروغ ونشوونما اور ترقی سے منسلک رہی ہیں اور مسائل پیدا کیے ہیں۔
آپ ماحولیاتی مسائل، نیوکلیئر ہتھیاروں اور بیماریوں کے موضوعات کے بارے میں سوچ سکتے ہیں۔

© NCERT not to be republished

1 صنعتی انقلاب سے پہلے

ہم عموماً صنعتیت کو کارخانوں کی صنعتوں سے متعلق سمجھتے ہیں۔ جب ہم صنعتی پیداوار کا ذکر کرتے ہیں تو ہماری مراد فیکٹری کی پیداوار سے ہوتی ہے۔ جب ہم صنعتی مزدور کا تذکرہ کرتے ہیں تو ہماری مراد فیکٹریوں کے مزدوروں سے ہوتی ہے۔ صنعتکاری کی تاریخ بھی اکثر اولین فیکٹریوں اور کارخانوں کے قیام سے شروع ہوتی ہے۔

ایسے خیالات ونظریات کے ساتھ ایک دشواری ہے۔ یورپ اور انگلینڈ کے زمینی نقشے پر فیکٹریوں کے وجود میں آنے سے پہلے ہی بین الاقوامی بازار کے لیے ایک بڑے پیمانے کی صنعتی پیداوار تھی۔ اور اس کی بنیاد فیکٹریاں نہیں تھیں بہت سے تاریخ داں صنعتکاری کے اس دہے کو ابتدائی صنعتکاری (Proto industrialisation) کا نام دیتے ہیں۔

نئے الفاظ

Proto — کسی چیز کی اولین یا ابتدائی شکل

سترھویں اور اٹھارھویں صدی میں یورپ کے شہروں سے تاجروں نے دیہی علاقوں کے چکر لگانے شروع کیے انھوں نے کسانوں اور دست کاروں کو روپیہ دیا اور انھیں ایک بین الاقوامی بازار کے لیے سامان پیدا کرنے پر اکسایا۔ عالمی تجارت کی توسیع اور دنیا کے مختلف حصوں میں نوآبادیوں کے حصول کے ساتھ اشیا کی مانگ بڑھنا شروع ہوئی۔ مگر تاجر صرف شہروں میں محدود رہ کر پیداوار نہیں بڑھا سکے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہاں شہری دستکاریاں اور تجارتی گلڈس بڑے مضبوط اور طاقت ور تھے۔ سامان پیدا کرنے والوں کی انجمنیں تھیں جنھوں نے دستکاروں کو تربیت دی، پیداوار پر کنٹرول کیا، مقابلے اور قیمتوں کو منضبط کیا اور کاروبار میں نئے لوگوں کے داخلے پر حدیں عائد کیں۔ قاعدوں اور قوانین نے مختلف مصنوعات کو پیدا کرنے کے حقوق گلڈس کو دیے اس لیے نئے تاجروں کے لیے شہروں میں کاروبار شروع کرنا دشوار تھا، چنانچہ ان لوگوں نے دیہی علاقوں کا رخ کیا۔

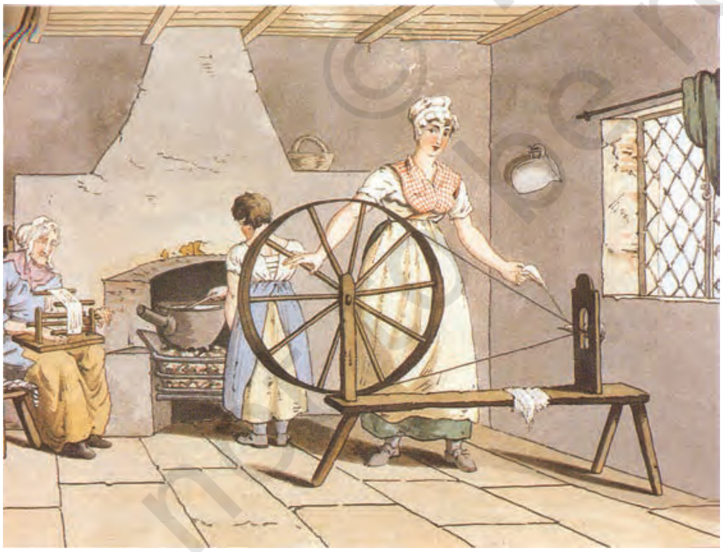

شکل 3- اٹھارھویں صدی میں کتائی
آپ خاندان کے ہر فرد کو دھاگا بنانے کے کام میں لگا ہوا دیکھ سکتے ہیں۔ غور سے دیکھیے ایک چرخا ایک ہی سلائی (تکلا) چلا رہا ہے۔

دیہی علاقوں میں غریب کسانوں اور دست کاروں نے تاجروں کے لیے کام کرنا شروع کیا۔ جیسا کہ آپ نے پچھلے سال اپنی درسی کتاب میں پڑھا ہے کہ یہ وہ وقت تھا جب کھلے کھیت ختم ہوتے جا رہے تھے اور مشترکہ میدانوں کی گھیرابندی ہو رہی تھی۔ جھونپڑیوں میں رہنے والے اور غریب کسان جو اپنی بقاء کے لیے ابھی تک جلانے کی لکڑی، بیری، ترکاریاں، بھوسا وغیرہ، مشترکہ زمینوں سے حاصل کرتے تھے۔ اب آمدنی کے متبادل ذریعوں کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ ان میں سے بہت سوں کے پاس زمین کے چھوٹے چھوٹے قطعے تھے جو خاندان کے تمام لوگوں کے لیے روزگار فراہم نہیں کر سکتے تھے۔

© NCERT not to be republished

اسی لیے جب تاجر آئے اور انھوں نے ان کے سامان بنانے کے لیے پیشگی رقم دینے کی پیش کش کی تو کاشتکار خاندان بڑے شوق سے تیار ہو گئے۔ تاجروں کے لیے کام کرکے وہ گاؤں میں رہ سکتے تھے اور اپنے چھوٹے چھوٹے کھیتوں میں کھیتی باڑی بدستور جاری رکھ سکتے تھے۔ اولین صنعتی پیداوار سے ہونے والی آمدنی نے، ان کی کھیتی باڑی کی کم ہوتی ہوئی آمدنی میں اضافہ کردیا، ساتھ ہی اپنے خاندان کی کارکردگی کے وسائل کے بھرپور استعمال کے مواقع فراہم کردیے۔

اس نظام میں شہر اور دیہات کے درمیان زیادہ قریبی رشتے استوار ہوئے۔ تاجروں کے ٹھکانے شہروں میں تھے مگر زیادہ تر کام دیہی علاقوں میں ہوتا تھا۔ انگلستان میں ایک کپڑے بنانے والے تاجر نے ایک stapler سے اون خریدا وہ اسے کاتنے والے کے پاس لے گیا، وہاں جو دھاگا بنا اسے تیاری کی مختلف منزلوں میں بننے والوں کے پاس لے جایا گیا۔ کپڑا اتھہ کرنے والے کے پاس (Fullen)، رنگریزوں کے پاس، اس سے پہلے کہ برآمد کرنے والا تاجر کپڑے کو بین الاقوامی بازار میں بیچے تیاری کے آخری سارے کام لندن میں ہوئے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ لندن Finishing Centre کی حیثیت سے ہی مشہور ہو گیا۔

یہ بنیادی صنعتی نظام (Proto-industrial system) کمرشل ایکسچینز کے ایک نٹ ورک کا حصہ تھا۔ اس پر تاجروں کا کنٹرول تھا اور اشیا پیدا کرتے تھے لاتعداد پروڈوسر جو فیکٹریوں میں مل کر خاندانی ٹھکانوں پر کام کرتے تھے۔ پیداوار کے ہر مرحلے میں تاجر بیس پچیس مزدور رکھتا تھا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر کپڑے تیار کرنے والا تاجر (clothier) سینکڑوں مزدور اپنے کنٹرول میں رکھتا تھا۔

1.1 فیکٹری کا ورود

اولین فیکٹریاں انگلستان میں 1730 میں بنیں۔ مگر ان کی تعداد میں اضافہ اٹھارھویں صدی کے آخر میں ہوا۔

نئے عہد کی پہلی علامت کپاس تھی۔ اس کی پیداوار آخر انیسویں صدی میں پھلی پھولی۔ اپنی کپاس کی صنعت کو چلانے کے لیے برطانیہ 1760 میں 2.5 ملین پونڈ کپاس درآمد کررہا تھا۔ 1787 تک یہ درآمد 22 ملین پاؤنڈ ہو گئی۔ اس اضافے کا تعلق پیداواری عمل میں ہونے والی متعدد تبدیلیوں سے تھا۔ آئیے ان میں سے کچھ تبدیلیوں پر ایک سرسری نظر ڈالیں۔

اٹھارھویں صدی میں ہونے والی ایجادات نے پیداوار کے عمل کے ہر قدم (تومنا، بٹنا، کاتنا اور لپیٹنا) کو زیادہ کارگر بنادیا۔ انھوں نے فی مزدور پیداوار میں بھی اضافہ کیا، اور زیادہ مضبوط دھاگے بنانے کو بھی ممکن کردیا۔ پھر رچرڈ آرک رائٹ نے کاٹن مل کی تخلیق کی۔ اس وقت تک جیسا کہ آپ نے دیکھا ہے کپڑے کی تیاری کا کام (Production) سارے دیہی علاقوں میں پھیلا

نئے الفاظ

Stapler—ایک شخص جو نتھی کرنے یا پرونے کا کام کرتا ہے یا ریشوں کے مطابق اون کو الگ الگ کرتا ہے۔

Fuller—ایک شخص جو تہیں بنا کر کپڑے کو جمع کرتا ہے۔

Carding—تومنا ایک عمل جس میں اون یا کپاس کے ریشوں کو کاتنے سے پہلے تیار کیا جاتا ہے۔

شکل 4-ایک لنکا شائر کاٹن مل، پینٹنگ: سی ای ٹرنر، دی السٹریٹڈ لندن نیوز، 1925

آرٹسٹ نے کہا ''مرطوب فضا سے دکھائی دینے والا منظر جو لنکا شائر کو دنیا کی روئی کاتنے والی سب سے اچھی بستی بناتا ہے۔ ایک عظیم الشان کاٹن مل جھٹ پٹے میں بجلی کی روشنی سے چمک رہا ہے۔ ایک انتہائی اثر انگیز نظارہ۔

© NCERT not to be republished

ہوا تھا اور دیہات کے ہر گھر میں ہوتا تھا۔ مگر اب نئی قیمتی مشینیں خریدی جاسکتی تھیں، ملوں میں انھیں لگایا جاسکتا تھا اور چلایا جاسکتا تھا۔ اب کپڑے کی تیاری کے سارے عمل ایک چھت کے نیچے اور ایک مینیجمنٹ کے زیرنگرانی لے آئے گئے تھے۔ اس طریقے نے پروڈکشن کے سارے عمل کی نگرانی کو بہتر بھی بنایا اور آسان بھی کر دیا۔ کوالٹی پر نظر رکھنا، مزدوروں اور مزدوروں کے کام کو بہتر ڈھنگ سے منظّم کرنا آسان ہوگیا، یہ سارے کام اُس وقت دشوار ہوتے تھے جب پروڈکشن کا کام سارے دیہی علاقوں میں پھیلا ہوا تھا۔

اوائل انیسویں صدی میں فیکٹریاں اور کارخانے روز بروز انگلش منظرنامے کا بڑا مانوس حصہ بنتے گئے۔ پُرشکوہ نئے مِل اتنے واضح اور اتنے نظر آنے والے تھے، نئی ٹکنالوجی کی قوت کچھ اتنی سحرانگیز تھی کہ معاصرین مبہوت تھے۔ ان گلی کوچوں اور ان ورکشاپوں کو بھول کر کہ جہاں کام آج بھی ہو رہے تھے، ان کی توجہ کا مرکز مل اور کارخانے ہوگئے تھے۔

سرگرمی

تاریخ داں جس طرح چھوٹے چھوٹے ورکشاپ پر توجہ دینے کے بجائے انڈسٹریلائزیشن پر توجہ مرکوز کرتے ہیں وہ ایک اچھی مثال ہے اس بات کو سمجھنے کی کہ آج ہم ماضی کے بارے میں جن باتوں کو مانتے ہیں اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ تاریخ دانوں نے کیا دیکھنا چاہا اور کس چیز کو نظر انداز کر دیا۔ خود اپنی زندگی کا کوئی واقعہ یا کوئی پہلو ایسا بتایئے جسے آپ کے بڑے، آپ کے والدین یا اساتذہ غیراہم سمجھتے ہیں لیکن آپ اسے اہم سمجھتے ہیں۔

شکل 5—انڈسٹریل مانچسٹر از ایم جیک سن۔ دی السٹریٹڈ لندن نیوز، 1857 دھواں اگلتی ہوئی چمنیاں صنعتی منظر کی نمایاں خصوصیت بن گئیں

1.2 صنعتی تبدیلی کی رفتار

صنعتکاری کے عمل کی رفتار کتنی تیز تھی؟ کیا صنعتکاری (انڈسٹریلائزیشن) کا مطلب محض کارخانوں کی صنعت کا وجود میں آنا ہے؟

اول: برطانیہ میں سب سے زیادہ فعال صنعتیں روئی اور دھاتوں کی صنعتیں تھیں۔ تیزی سے بڑھتی ہوئی صنعتکاری میں انیسویں صدی کی چوتھی دہائی میں صنعتکاری کے پہلے مرحلے میں کپاس کا شعبہ ممتاز ترین شعبہ تھا۔ اس کے بعد لوہے اور فولاد کی انڈسٹری آ گئی تھی۔ 1840 میں انگلینڈ میں اور 1860 میں نوآبادیوں میں ریلوں کی توسیع سے لوہے اور فولاد کی مانگ میں بڑی تیزی سے

سرگرمی

شکل 4 اور 5 کو دیکھیے، دونوں میں صنعتکاری کی جو شبیہ دکھائی گئی ہے آپ ان میں کوئی فرق دیکھ سکتے ہیں؟ اپنا نقطہ نظر بیان کیجیے۔

اضافہ ہوا۔1873 تک برطانیہ 77 ملین پاؤنڈ کی قیمت کا لوہا اور فولاد برآمد کر رہا تھا یعنی اپنی کپاس کی درآمد سے دوگنی قیمت کا۔

دوم: نئی صنعتیں روایتی صنعتوں کو آسانی سے ہٹا نہیں سکیں۔انیسویں صدی کے آخر تک مزدوروں کی کل تعداد کا صرف بیس فی صدی حصہ صنعت کے ان سیکٹروں میں کام کر رہا تھا جن میں ترقی یافتہ ٹکنالوجی کا استعمال ہو رہا تھا۔ٹکسٹائل ایک فعال سیکٹر تھا مگر اس کی پیداوار کا ایک بڑا حصہ فیکٹریوں میں نہیں ان سے باہر گھریلوں یونٹوں میں تیار ہوتا تھا۔

سوم: روایتی صنعتوں میں تبدیلی کی رفتار کا تعین بھاپ سے چلنے والی کپاس اور دھاتوں کی صنعتوں سے نہیں ہوا تھا۔مگر یہ پوری طرح جامد بھی نہیں رہتیں۔بظاہر معمولی اور چھوٹی چھوٹی اختراعات کئی غیر مشینی شعبوں جیسے ڈبہ بند غذاؤں، فن تعمیر، پوٹری، گلاس ورک، چمڑہ، فرنیچر بنانے اور اوزاروں کی تیاری کی صنعتوں میں نشو و نما کی بنیاد تھیں۔

چہارم: ٹکنالوجیکل تبدیلیاں بڑی آہستہ آہستہ ہوئیں۔وہ صنعتی فضا میں کسی حیرتناک انداز میں پھیلیں بھی نہیں۔نئی ٹکنالوجی قیمتی تھی اور تاجر اور صنعت کار اس کے استعمال کرنے کے معاملے میں محتاط تھے۔مشینیں اکثر خراب ہو جاتی تھیں اور ان کی مرمت پر کافی خرچ ہوتا تھا۔مشین اتنا کام نہیں دیتی تھیں جتنے کام کا ان کے ایجاد کرنے والے یا انھیں بنانے والے دعویٰ کرتے تھے۔

بھاپ کے انجن ہی کو لے لیجیے۔Newcomen کے تیار کیے اسٹیم انجن کو جیمس واٹ نے بہتر کیا اور 1781 میں نئے انجن کا سرکاری تحفظ (Patent) حاصل کیا۔اس کے صنعت کار دوست میتھیو بولٹن نے نیا ماڈل بنایا۔مگر کئی برسوں تک اسے خریدار نہ مل سکے۔19 ویں صدی کے آغاز تک سارے انگلستان میں اسٹیم انجنوں کی تعداد 321 سے زیادہ نہیں تھی ان میں سے 80 کپاس کی صنعت میں تھے۔نو اُون کی صنعت میں اور باقی کان کنی، نہروں اور لوہے کے کاموں ہیں۔دوسری صنعتوں میں اسٹیم انجنوں کا استعمال صدی کے آخر تک نہیں ہوا تھا۔انتہائی طاقتور اور کارگر نئی ٹکنالوجی کو جس نے مزدور کی پیداواری صلاحیت کو کئی گنا بڑھا دیا تھا۔قبول کرنے میں صنعت کار بڑے سست رہے۔

تاریخ داں روز بروز اس بات کو تسلیم کرتے جا رہے تھے کہ وسط انیسویں صدی کا عام کام گار مشین چلانے والا نہیں بلکہ روایتی دستکار یا مزدور تھا۔

شکل 6۔انگلستان میں ایک فٹنگ شاپ۔دی السٹریٹیڈ لندن نیوز، 1849۔
اس فٹنگ شاپ میں نئے ریلوے انجن بنتے تھے اور پرانے انجنوں کی مرمت ہوتی تھی۔

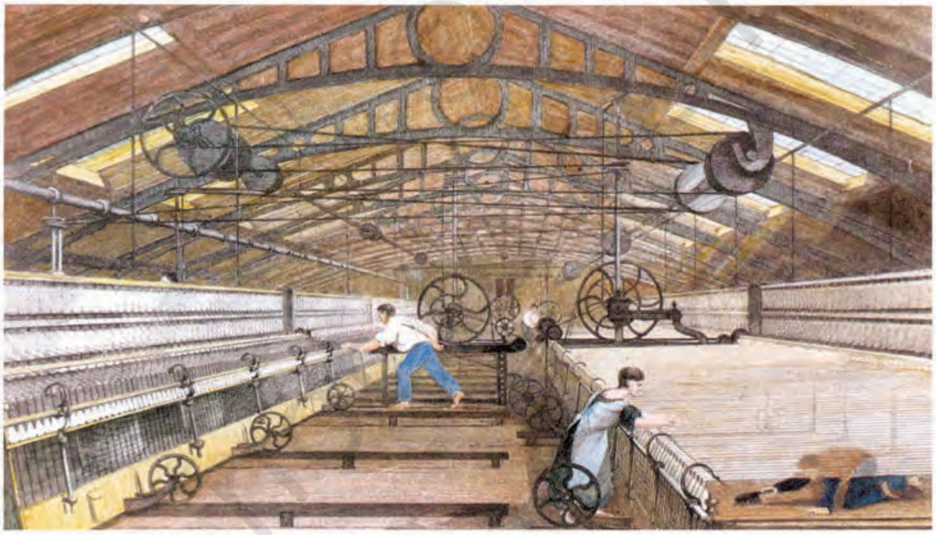

شکل 7۔کتائی کا ایک کارخانہ، 1830۔
آپ دیکھ سکتے ہیں کہ بھاپ سے حرکت میں آئے ہوئے بڑے بڑے پہیئے کس طرح سینکڑوں تکلوں کو تاگہ بنانے کے لیے حرکت دیتے ہیں۔

© NCERT not to be republished

2 ہاتھ کی محنت اور بھاپ کی قوت

برطانیہ کے عہد وکٹوریہ میں انسانی محنت کی کوئی کمی نہیں تھی۔ غریب کسان اور بے گھر بار لوگوں نے تلاش معاش اور کام کی جستجو میں بڑی تعداد میں بڑے شہروں کا رخ کیا۔ جیسا کہ آپ جانتے ہوں گے جب کام کرنے والے بہت ہوں تو اجرتیں کم ہو جاتی ہیں۔ اسی لیے صنعت کاروں کے لیے کام کرنے والوں کی کمی اور زیادہ اجرتوں کا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ انہوں نے اسی لیے مشینوں کو متعارف کرانا چاہا ہی نہیں کہ ان میں انسانی محنت کی زیادہ ضرورت نہیں ہوتی تھی اور سرمائے کی ضرورت بہت ہوتی تھی۔

بہت سی صنعتوں میں مزدوری کی ضرورت موسمی یا وقتی ہوتی تھی۔ گیس سے متعلق کام اور شراب کی بھٹیاں خصوصاً سردیوں کے مہینوں میں بہت مصروف ہوتی تھیں۔ اسی لیے اس زمانے میں مال کی مانگ کو پورا کرنے کے لیے انھیں کام کرنے والے زیادہ لوگوں کی ضرورت ہوتی تھی۔ جِلد سازوں اور چھاپے خانے والوں کو، کرسمس کے زمانے کی مانگوں کو پورا کرنے کے لیے دسمبر سے

شکل 8۔ لوگ کام کی تلاش میں۔ دی السٹریٹڈ لندن نیوز، 1879
بہت سے لوگ تھے جو چھوٹا موٹا سامان بیچتے اور کام کی تلاش میں ہمیشہ ہی گھومتے رہتے تھے۔

قبل مزید مزدوروں کی ضرورت پڑتی تھی۔ ساحلوں پر، سردیوں کا زمانہ جہازوں کی مرمت اور ان کو ٹھیک ٹھاک کرنے کا زمانہ ہوتا تھا۔ ایسی تمام صنعتوں میں جہاں پیداوار میں موسم کے مطابق اتار چڑھاؤ آتے تھے صنعت کار عموماً ہاتھ سے کام کرنے والے مزدوروں کو ترجیح دیتے تھے اور انہیں موسموں کی ضرورت کے مطابق ملازم رکھتے تھے۔

بہت سی مصنوعات ایسی تھیں جو صرف ہاتھ سے کام کرنے والے ہی بنا سکتے تھے۔ مشینیں،

ماخذ A

Will Thorne ان لوگوں میں سے ایک تھا جو موسمی کاموں کی تلاش میں گیا۔ اینٹیں ڈھونے اور دوسرے چھوٹے موٹے اتفاقیہ کام کرنے۔ وہ بیان کرتا ہے کہ کام کے متلاشی روزگار کی تلاش میں لندن میں مارے مارے پھرتے تھے۔ ''میری لندن جانے کی خواہش ہمیشہ سے تھی ...... یہ خواہش میرے ساتھ کام کرنے والے ایک پرانے دوست کے خطوط نے پیدا کی تھی ...... جواب اولڈ کنٹ روڈ گیس ورکس میں کام کرتا ہے ...... میں نے بالآخر جانے کا فیصلہ کرلیا۔ نومبر 1881 میں ...... دو دوستوں کے ساتھ پاپیادہ سفر پر چل پڑا۔ اس توقع کے ساتھ کہ ہم لوگوں کو کام مل جائے گا۔ جب ہم وہاں پہنچیں گے ...... اپنے دوست کے تعاون سے ...... ہم نے جب سفر شروع کیا تھا ہمارے پاس بہت کم پیسے تھے۔ رات کو کہیں ٹھہرنے اور کھانے کے لیے ہمارے پاس کافی روپیہ نہیں تھا۔ یہاں تک کہ ہم لندن پہنچ گئے۔ کبھی کبھی تو ہم ایک ایک دن میں بیس بیس میل چلے۔ کبھی کبھی کم بھی چلے۔ ہمارے پاس جو پیسے تھے وہ تیسرے دن ختم ہو گئے ...... دوراتیں ہم کھلے آسمان کے نیچے سوئے۔ ایک دفعہ بھوسے کے ایک ڈھیر میں، ایک دفعہ ایک شید کے نیچے ...... لندن پہنچے۔ پر ہم نے اپنے دوست کو ڈھونڈنے کی کوشش کی ...... مگر کامیاب نہیں ہوئے ...... ہمارا پیسہ ختم ہو چکا تھا۔ اس لیے ہمارے پاس کوئی کام نہیں تھا سوائے دیر رات تک چلنے کے، بھوکے رہنے اور سونے کے لیے کسی جگہ کو تلاش کرنے کے۔ اس رات ہمیں ایک پرانی عمارت نظر آ گئی اور ہم وہیں سو گئے۔ دوسرے دن، اتوار کے روز دیر سہ پہر میں ہم اولڈ کنٹ گیس ورکس پہنچ گئے اور کام کے لیے درخواست دی۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی جس آدمی کو ہم تلاش کر رہے تھے اس وقت وہاں کام کر رہا تھا۔ اس نے فون سے بات کی اور مجھے کام مل گیا۔'' (رافل سمیوئل کی کتاب "Comers and goers سے، بحوالہ ایچ جے ڈیوس اور مائیکل وولف (مرتبین) دی وکٹورین سٹی: امیجز اینڈ ریلیٹیز 1973)

سرگرمی

تصور کیجیے کہ آپ ایک تاجر ہیں جو ایک سیلز مین کو جواب لکھ رہا ہے جو آپ کو ایک نئی مشین کے خریدنے پر راضی کرنا چاہتا ہے۔ اپنے خط میں بتائیے کہ آپ نے کیا کچھ سنا ہے اور یہ کہ آپ نئی ٹکنالوجی میں پیسہ کیوں نہیں لگانا چاہتے۔

وردیاں اور زیادہ تعداد میں بنائی جانے والی معیاری (standardised) اشیا تیار کرنے کے لیے تھیں، مگر بازار میں اکثر نفیس کام اور مخصوص شکل وصورت کی چیزوں کی مانگ ہوتی تھی۔ مثال کے طور پر، وسط انیسویں صدی میں بڑی پانچ قسموں کی ہتھوڑیاں اور پینتالیس اقسام کی کلھاڑیاں بنائی گئیں۔ ان کے لیے میکانکی ٹکنالوجی کی نہیں انسانی مہارت کی ضرورت ہوتی تھی۔

عہد وکٹوریہ برطانیہ میں اونچے طبقے کے لوگ۔ اشراف اور بورژوازی، ہاتھ سے بنی ہوئی اشیا پسند کرتے تھے۔ ہاتھ سے بنائی ہوئی چیزیں نفاست اور اعلیٰ نسبی کی علامت بن گئیں۔ ان چیزوں کی تکمیل اچھی طرح ہوتی تھی، شخصی طور پر بنائی ہوئی ہوتی تھیں اور ان کے ڈیزائن بہت سوچ کر بنے ہوئے ہوتے تھے۔ مشین سے بنا ہوا سامان نوآبادیوں میں بھیجنے کے لیے ہوتا تھا۔ ان ملکوں میں جہاں انسانی محنت کی (مزدوری کی) کمی ہوتی تھی وہاں صنعت کار میکینیکل پاور کو استعمال کرنے میں زیادہ دلچسپی دکھاتے تھے تاکہ انسانی محنت کی ضرورت کو کم سے کم کیا جا سکے۔ 19 ویں صدی کے امریکہ میں یہی صورت حال تھی۔ اس کے برعکس برطانیہ کو مزدوروں سے کام لینے میں کوئی دشواری نہیں تھی۔

شکل 9۔۔لوہے کے ایک کارخانے میں مزدور۔ شمالی مشرقی انگلستان۔ ولیم بل اسکاٹ کی پینٹنگ 1861

19 ویں صدی کے بہت سے آرٹسٹوں نے مزدوروں کو مثالی بنا کر پیش کرنا شروع کیا۔ انھیں ملک وقوم کے لیے تکلیفیں اٹھاتے اور دکھ جھیلتے ہوئے دکھایا گیا۔

2.1 مزدوروں کی زندگی

بازار میں مزدوروں کی افراط ان کی زندگیوں پر اثر ڈالتی تھی۔ امکانی ملازمتوں کی خبر دیہی علاقوں میں پہنچی اور ہزاروں لوگوں نے شہروں کی طرف رخ کیا۔ کام ملنے کے حقیقی امکان کا انحصار دوستی اور موجود رشتوں کی وسعت پر ہوتا تھا۔ اگر کسی فیکٹری میں آپ کا کوئی رشتے دار یا دوست ہے تو

شکل 10۔۔بے گھر اور بھوکے، سیموئل لیوک فلڈس کی پینٹنگ 1874

اس تصویر میں لندن میں بے گھر لوگوں کو ایک ورک ہاؤس میں رات گزارنے کے لیے درخواست دیتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ یہ رین بسیرے لاوارثوں، مسافروں، خانہ بدوشوں اور مفلس و کنگال لوگوں کے لیے بنائے گئے Poor law commisioners کی نگرانی میں چلتے تھے۔ ان رین بسیروں میں قیام ایک ذلت آمیز تجربہ ہوتا تھا۔ یہ دیکھنے کے لیے کہ درخواست دینے والے کو کوئی بیماری تو نہیں ہے ہر شخص کا طبی معائنہ ہوتا تھا، ان کے جسم دھوئے جاتے تھے، ان کے کپڑوں کو صاف کیا جاتا تھا۔ رین بسیروں میں مشقت کے کام بھی کرنے پڑتے تھے۔

آپ کو کام ملنے اور کسی قدر جلد ملنے کا امکان ہے۔ مگر ایسے سماجی رشتے ہر ایک کے تو نہیں ہوتے۔ نوکریوں کے متلاشی بہت سے لوگوں کو ہفتوں انتظار کرنا پڑتا تھا۔ اور انھیں اپنی راتیں پلوں کے نیچے یا پھر رین بسیروں میں گزارنا ہوتی تھیں۔ بعض لوگ رات کی پناہ گاہوں میں رہتے تھے جنھیں لوگوں نے انفرادی طور پر بنا رکھا تھا۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے تھے جو Poor Law اتھارٹی کے زیر اہتمام چلنے والے casual wards میں قیام کرتے تھے۔

بہت سی صنعتوں میں موسمی طریقۂ کار کا مطلب طویل عرصے تک کام کے بغیر رہنا تھا۔ مصروفیت کا موسم گزرنے کے بعد غریب پھر سڑک پر ہوتے تھے۔ بعض لوگ سردیوں کے بعد جب دیہی علاقوں میں کہیں کہیں مزدوروں کی مانگ ہوجاتی تھی تو اپنے گاؤں کو لوٹ جاتے تھے۔ مگر زیادہ تر لوگ جز وقتی کاموں کی جستجو میں سرگرداں رہتے تھے۔ وسط انیسویں صدی تک جن کا ملنا بہت مشکل تھا۔

اوائل انیسویں صدی میں اجرتوں میں کچھ اضافہ ہوا۔ مگر ان سے ہمیں مزدوروں کی خوش حالی کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ اوسط اعداد شمار کاروباروں کے درمیان فرق کو چھپاتے ہیں اور سال بہ سال ہونے والے اتار چڑھاؤ پر پردہ ڈالتے ہیں۔ مثال کے طور پر نپولین جنگ کے طویل زمانے میں جب قیمتیں بہت بڑھ گئیں تو لوگوں کی آمدنیوں کی اصل قوت خرید قابل لحاظ حد تک کم ہوگئی کیوں کہ پچھلی اجرتوں سے اب بہت کم چیزیں خریدی جاسکتی تھیں۔ مزید یہ کہ مزدوروں کی آمدنیوں کا انحصار محض اجرتوں کی شرح پر نہیں تھا۔ ملازمت کی مدت بھی اہمیت رکھتی تھی۔ ایام ملازمت بھی مزدوروں کی اوسط یومیہ آمدنی کا تعین کرتے تھے۔ وسط انیسویں صدی تک زیادہ عرصے میں تقریباً دس فی صدی شہری آبادی انتہائی مفلس تھی۔ 1830 کے اقتصادی انحطاط جیسے

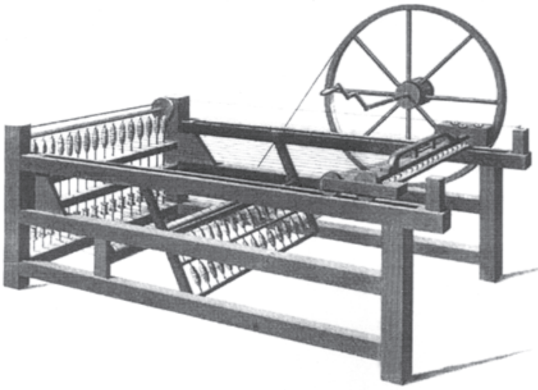

شکل 11 اسپننگ جینی۔ ڈرائنگ ٹی ای نکلس 1835

ان تکلوں (spindles) کی تعداد پر غور کیجیے جو ایک چرخی سے چلائے جاسکتے تھے۔

نئے الفاظ

Spinning Jenny ۔ 1764 میں جیمس ہارگریوز نے بنایا۔ اس مشین نے کاتنے کے کام کی رفتار بڑھادی اور مزدوروں کی مانگ کم کردی۔ ایک چرخی چلا کر ایک مزدور کئی تکلوں کو چلاسکتا تھا اور ایک ہی وقت میں کئی تاگے نکال سکتا تھا۔

ماخذ B

ایک مجسٹریٹ نے 1790 میں ایک واقعہ بیان کیا جب اسے ایک صنعت کار کی املاک کو بچانے کے لیے بلایا گیا جس پر مزدوروں نے حملہ کردیا تھا۔

''چوکیداروں اور ان کی بیویوں کے ایک بے قابو گروہ کی غارت گری سے، بیویوں کی نوکریاں اسپننگ جینی کے استعمال کی وجہ سے ختم ہوگئی تھیں...ابتدا میں تو انھوں نے انتہائی بدتمیزی سے اس مشین کو چکنا چور کرنے کی کوشش کی جو اونی مصنوعات کے لیے لگائی گئی تھی۔ جس کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ اگر لگ گئی تو ہاتھ سے کام کرنے والوں کی مانگ کم ہوجائے گی۔ عورتوں نے بڑا ہنگامہ کیا، مروبات کو سمجھنے پر زیادہ تیار تھے اور خاص بحث مباحثے کے بعد اپنے مقاصد سے انھیں باز رکھنے میں کامیابی مل گئی اور وہ لوگ پرامن طور پر اپنے گھروں کو واپس لوٹ گئے۔''

(جے ایل ہمینڈ اور بی ہمینڈ: دی اسکلڈ لیبر۔ 1760-1832 میکسن برگ میں حوالہ۔ دی ایج آف مینوفیکچرس)

تبادلۂ خیال کیجیے

شکل نمبر 3، 7 اور 11 کو دیکھیے اس کے بعد ماخذ دوبارہ پڑھیے۔ بتائیے کہ اکثر مزدور اسپننگ جینی کے استعمال کے خلاف کیوں تھے۔

© NCERT not to be republished

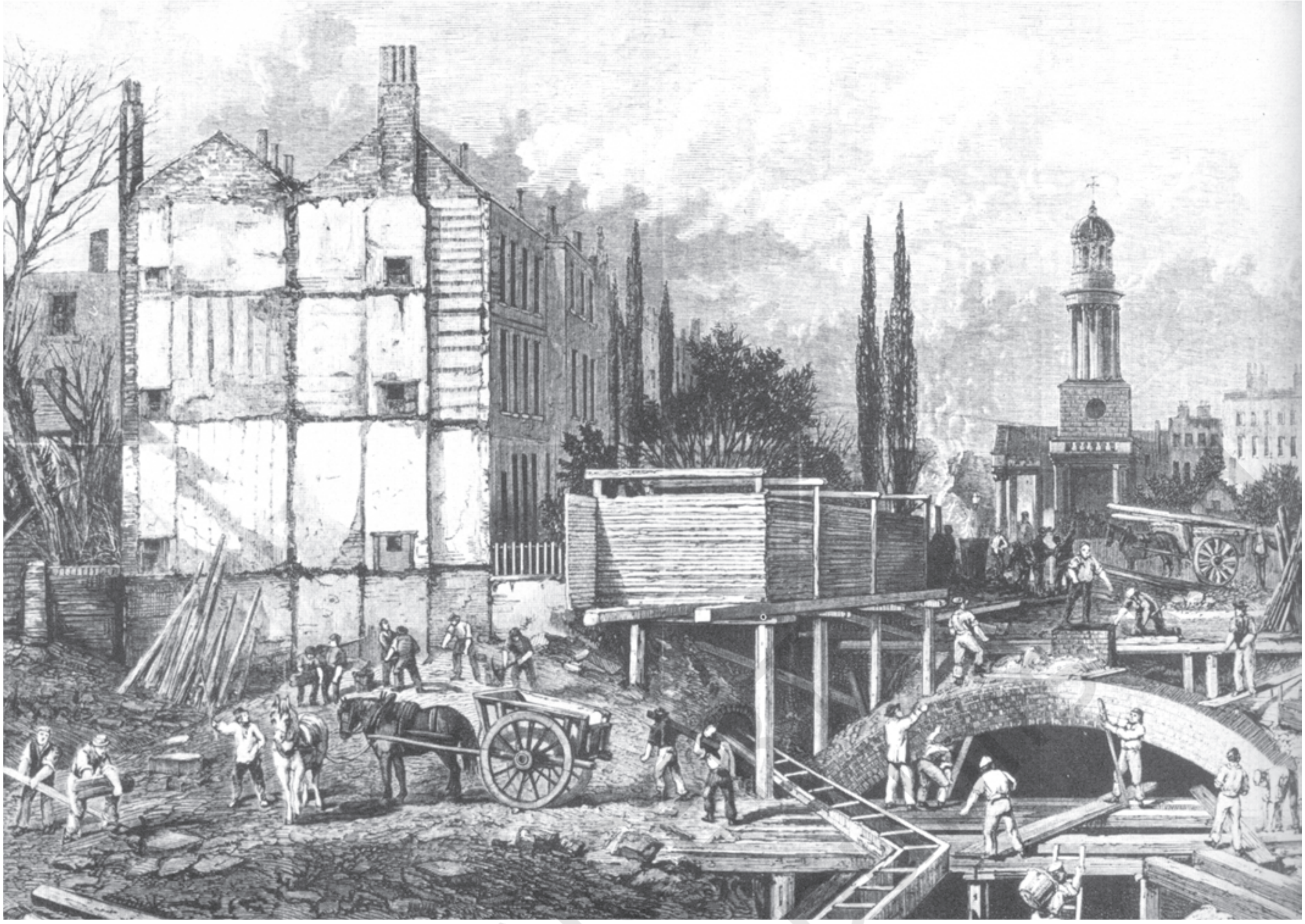

شکل.12—سنٹرل لندن میں ایک انڈر گراؤنڈ ریلوے بنائی جارہی ہے۔السٹریٹڈ ٹائمز،1868۔
1850 کے بعد سے لندن بھر میں ریلوے اسٹیشن تعمیر ہونا شروع ہوئے۔اس کے لیے سرنگیں کھودنے لکڑی کے ڈھانچے کھڑے کرنے اور اینٹ اور لوہے کے کاموں کے لیے پاڑیں باندھنے کے لیے بڑی تعداد میں مزدوروں کی مانگ ہوئی۔کام کے متلاشی لوگوں نے تعمیر ہونے والی جگہوں کے چکر لگانے شروع کیے۔

زمانوں میں بے روزگاری کا تناسب،مختلف علاقوں میں 35 سے 75 فی صد تک ہوگیا تھا۔

بے روزگاری کے خوف نے مزدوروں کو نئی ٹکنالوجی کے استعمال کے خلاف سرکش بنادیا۔ جب اُون کی صنعت میں اسپیننگ جینی متعارف کرائی گئی تو عورتوں نے جو ہاتھ کی کتائی کے سہارے زندہ تھیں،نئی مشینوں کی توڑ پھوڑ شروع کردی۔جینی کے استعمال پر ہنگامہ بہت دن چلتا رہا۔

1840 کے بعد شہروں میں تعمیری سرگرمیوں میں بڑا اضافہ ہوا اور روزگار کے امکانات بڑھ گئے۔ سڑکیں چوڑی ہوئیں، نئے ریلوے اسٹیشن بنے، ریلوے لائنوں میں توسیع ہوئی سرنگیں کھدیں، گندے پانی کے نکاس کے لیے نالیاں بنیں، پائپ ڈالے گئے،اور دریاؤں کے کنارے بنے۔ ٹرانسپورٹ کی صنعت میں کام کرنے والوں کی تعداد 1840 میں دوگنی ہوگئی۔اگلے تیس برسوں میں اس تعداد میں بھی دوگنا اضافہ ہوا۔

آیئے اب ہندوستان کی طرف چلتے ہیں اور یہ دیکھتے ہیں ایک نوآبادی صنعت کیسے بنتی ہے۔ یہاں بھی ہم ایک بار پھر محض فیکٹریوں اور کارخانوں والی صنعتوں پر ہی نہیں بلکہ غیر میکانکی شعبہ پر بھی نظر رکھیں گے مگر ہم اپنی بحث کو ٹکسٹائل صنعتوں تک محدود رکھیں گے۔

3.1 ہندوستانی ٹکسٹائل کا زمانہ

مشینوں والی صنعت کے زمانے سے قبل، ٹکسٹائل کی بین الاقوامی منڈیوں میں ہندوستان کے سلک اور سوتی سامان کی دھاک جمی ہوئی تھی۔ موٹی جھوٹی اور نفاست سے عاری کپاس، تو بہت سے ملکوں میں پیدا کی جاتی تھی مگر نفیس قسمیں عموماً ہندوستان سے آتی تھیں۔ امریکی اور ایرانی تاجر یہ سامان پنجاب سے پہاڑوں کے دروں اور ریگستانوں کو پار کرکے افغانستان، مشرقی ایران اور سنٹرل ایشیا لے گئے۔ نوآبادیاتی عہد سے پہلے کی اہم بندرگاہوں سے بڑی فعال بحری تجارت ہوتی تھی۔ گجرات کے ساحل پر سورت نے خلیجی اور بحر احمر کی بندرگاہوں کو ملا رکھا تھا، کورومنڈیل ساحل پر مسولی پٹنم اور بنگال میں ہگلی کے جنوب مشرق ایشیا کی بندرگاہوں سے تجارتی رشتے تھے۔ ہندوستان کے بہت سے مختلف تاجر اور بینکرس برآمد کے اس کاروبار میں تھے۔ پیداوار کے لیے سرمایہ فراہم کرنا، سامان کی نقل وحمل اور اسے برآمد کرنے والوں تک پہنچانا وغیرہ۔ سپلائی کرنے والے ان تاجروں نے بندرگاہوں والے شہروں کو اندرونی علاقوں سے ملایا۔ ان لوگوں نے بنکروں کو پیشگی سرمایہ دیا، گاؤوں سے بُنا ہوا کپڑا اٹھایا اور اسے بندرگاہوں تک پہنچایا۔ بندرگاہوں پر بڑے جہازوں کے مالک اور ایکسپورٹ مرچنٹس اپنے دلال رکھتے تھے جو بات چیت کرکے قیمتیں طے کرتے تھے اور سامان سپلائی کرنے والوں سے خرید لیتے تھے۔

1750 آتے آتے کاروبار کا وہ نٹ ورک جسے ہندوستانی کنٹرول کرتے تھے، ٹوٹنا شروع ہوگیا۔ یورپ کی کمپنیوں نے آہستہ آہستہ قوت واختیار حاصل کرنا شروع کیا۔ پہلے تو مقامی عدالتوں سے بہت سی رعائتیں حاصل کرکے، اس کے بعد تجارت پر اجارہ داری کے حقوق حاصل کرکے۔ اس کا نتیجہ سورت اور ہگلی کی بندرگاہوں کی تباہی کی شکل میں نکلا جہاں سے متاثر تاجر کاروبار کیا کرتے تھے۔ ان بندرگاہوں سے ہونے والی برآمدات میں اچانک شدید کمی آئی، جمع پونجی جو شروع شروع میں تجارتی کاروبار کے لیے سرمایہ فراہم کرتی تھی ختم ہونا شروع ہوئی اور مقامی بینکرس آہستہ آہستہ دیوالیے ہوگئے۔ سترھویں صدی کے آخری برسوں میں سورت سے ہونے والی

سرگرمی

ایشیا کے نقشے میں سمندر دکھایئے اور اس میں ہندوستان سے سنٹرل ایشیا، مغربی ایشیا اور جنوبی مشرقی ایشیا کو ہونے والی کپڑوں کی تجارت کے راستے دکھایئے۔

© NCERT not to be republished

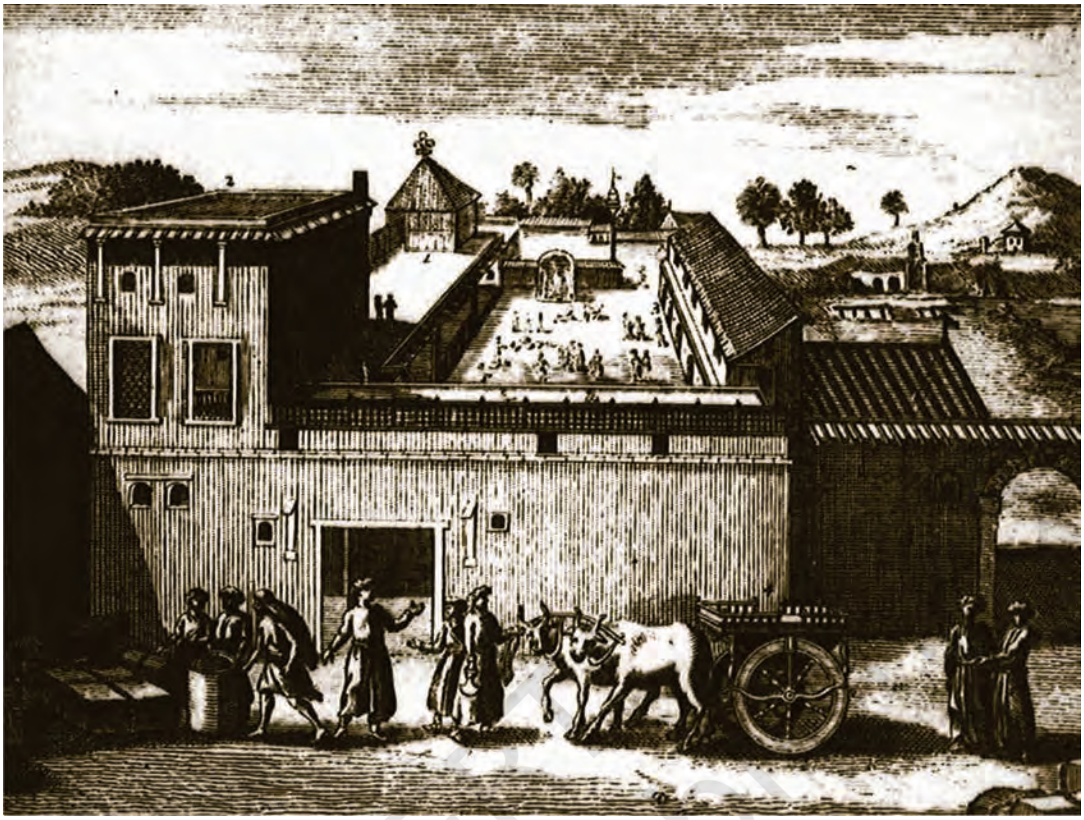

شکل 13 سورت میں انگلش فیکٹری۔ سترھویں صدی کی ایک ڈرائنگ

تجارت کی مجموعی قیمت 16 ملین روپیے تھی 1740 میں یہ محض 3 ملین رہ گئی۔

ایک طرف سورت اور ہگلی پر زوال آیا دوسری طرف بمبئی اور کلکتہ نے فروغ پایا پرانی بندرگاہوں سے نئی بندرگاہوں کو یہ منتقلی ، نوآبادیاتی طاقت میں اضافے کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ نئی بندرگاہوں سے ہونے والی تجارت پر یورپین کمپنیوں کا کنٹرول ہوا، سامان یورپین جہاز لاتے لے جاتے تھے۔ جہاں بہت سے پرانے تجارتی ادارے انحطاط کا شکار ہوئے وہیں ان اداروں کو جو زندہ رہنا چاہتے تھے لیے یورپ کی تجارتی کمپنیوں کے بنائے ہوئے کاروباری نظام میں رہ کر کام کرنا پڑا۔

بُنکروں اور دوسرے دست کاروں کی زندگیوں پر ان تبدیلیوں نے کیوں کر اثر ڈالا؟

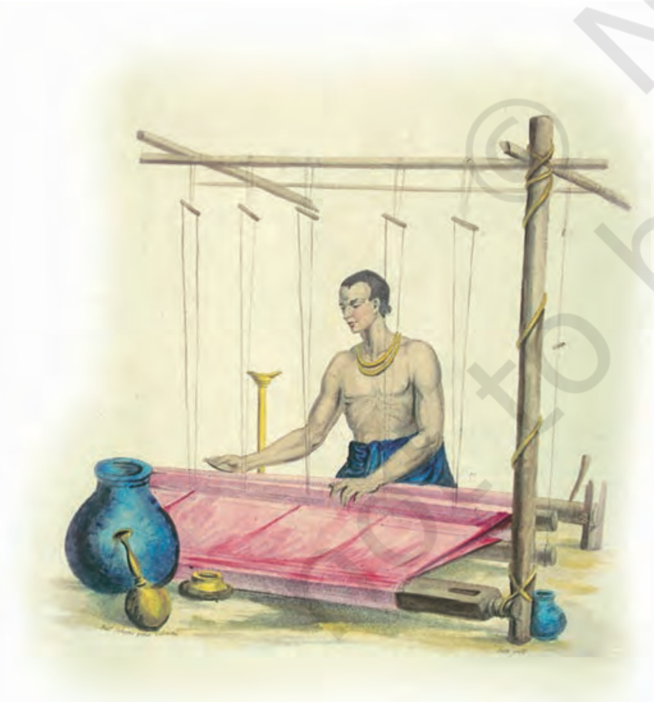

شکل 14 ایک بنکر کام کرتا ہوا۔ گجرات

3.2 بنکروں پر کیا گزری؟

1760 میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے استحکام کا اثر ابتدا میں تو ہندوستان سے ہونے والی ٹکسٹائل کی برآمدات پر نہیں پڑا۔ اس وقت تک برطانوی کاٹن انڈسٹری میں توسیع نہیں ہوئی تھی اور ہندوستانی نفیس کپڑے کی یوروپ میں مانگ بہت تھی۔ اسی لیے کمپنی کو ہندوستان سے کپڑے کی

برآمد کی توسیع میں بہت دل چسپی تھی۔ بنگال (1760) اور کرناٹک (1770) میں سیاسی اختیارات حاصل کرنے سے قبل، ایسٹ انڈیا کمپنی کو برآمد کے لیے باقاعدہ سپلائی کو یقینی بنانا مشکل معلوم ہوا۔ بازار میں بنے ہوئے کپڑے کے حصول کے لیے فرانسیسیوں، ڈچوں، پرتگالیوں اور ساتھ ہی مقامی تاجروں نے مقابلہ کیا۔ اس صورت حال میں بُنکر اور سپلائی کرنے والے اپنی پیداوار کو سب سے اچھے خریدار کے ہاتھ بیچنے کی کوشش اور سودے بازی کر سکے۔ کمپنی کے حکام نے لندن بھیجے جانے والے اپنے خطوں میں، سپلائی اور زیادہ قیمتوں کی مسلسل شکایت کی ہے۔

بہرحال جب ایک بار ایسٹ انڈیا کمپنی نے سیاسی اختیار مستحکم کر لیا تو وہ تجارت پر اجارہ داری کے حقوق پر اصرار کر سکی۔ اس نے مینجمنٹ اور کنٹرول کے ایک ایسے نظام کے بنانے کی طرف قدم بڑھایا جو مقابلے کو ختم کر دے، قیمتوں پر قابو رکھے اور ریشم اور کپاس کی باقاعدہ سپلائی کو یقینی بنائے۔ ہر کام اس نے متعدد اقدام کے ذریعے کیا۔

پہلا قدم: کمپنی نے کپڑے کے کاروبار سے متعلق موجودہ تاجروں اور دلالوں کو ختم کرنے اور بنکر پر ایک زیادہ راست کنٹرول حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اس نے بنکروں پر نگرانی رکھنے، سپلائی جمع کرنے اور کپڑے کی کوالٹی کی جانچ پڑتال کرنے کے لیے ایک تنخواہ دار ملازم رکھا، جسے گماشتہ کہا جاتا تھا۔

دوم: اس نے کمپنی کے بنکروں کو دوسرے خریداروں سے گفت وشنید کرنے پر روک لگا دی۔ ایسا کرنے کا ایک طریقہ پیشگی دینے کے نظام کے ذریعے تھا۔ جب ایک آرڈر دے دیا جاتا تھا تو بنکروں کو اپنی مصنوعات کے لیے خام مال خریدنے کے لیے قرض دیے جاتے تھے۔ جو لوگ قرض لے لیتے تھے انھیں اپنے بنائے ہوئے کپڑے کو گماشتوں کے حوالے کرنا پڑتا تھا، وہ اس سامان کو کسی دوسرے تاجر کو نہیں دے سکتے تھے۔

جیسے جیسے قرض ملنے لگے اور نفیس کپڑے کی مانگ بڑھی، بنکروں نے بڑے شوق سے اور زیادہ کمانے کی توقع کے ساتھ قرض لینا شروع کر دیا۔ بہت سے بنکر ایسے تھے جن کے پاس زمین کے چھوٹے چھوٹے اپنے ذاتی پلاٹ تھے، جن پر بُنائی کے کام کے ساتھ وہ کھیتی باری کر لیتے تھے اور اس کی پیداوار سے ان کے خاندان کی کچھ ضرورتیں پوری ہو جایا کرتی تھیں۔ اب وہ اپنی زمین کو ٹھیکے یا کرائے پر دینے اور اپنا سارا وقت بننے کے کام میں لگانے پر مجبور تھے۔ بننے کا کام حقیقتاً سارے خاندان کی محنت کا مطالبہ کرتا تھا۔ اور عورتیں اور بچے کام کے مختلف کے مرحلوں پر اس میں لگے رہتے تھے۔

بہرحال، جلدی ہی بنکروں کے گاؤوں سے گماشتوں اور بنکروں کے درمیان جھگڑوں کی خبریں آنے لگیں۔ ابتدا میں سپلائی کرنے والے تاجر عموماً بنکروں کے گاؤں میں ہی رہتے تھے، بنکروں

نئے الفاظ

Sepoy ۔ انگریز لفظ سپاہی کا یہی تلفظ کرتے تھے، اس کا مطلب ہندوستانی سپاہی ہوتا تھا جو انگریز کی ملازم ہوتا تھا۔

© NCERT not to be republished

سے ان کے قریبی تعلقات ہوتے تھے اور یہ لوگ ان کی بہت سی ضرورتوں کو پورا کرتے تھے اور پریشانی کے زمانے میں ان کی مدد کرتے تھے۔ نئے گماشتے باہر کے لوگ ہوتے تھے، گاؤں سے ان کے کوئی سماجی رشتے بھی نہیں ہوتے تھے۔ ان کے کام کے روّیوں میں بددماغی ہوتی تھی، وہ گاؤں میں Sepoys (سپاہیوں) اور چپراسیوں کے ساتھ آتے تھے، اور سپلائی میں تاخیر ہوجانے پر بنکروں کو مارتے پیٹتے بھی تھے۔ بنکر قیمتوں کے بارے میں گفت وشنید اور دوسرے مختلف خریداروں سے بات کرنے کے مواقع سے محروم ہوگئے۔ کمپنی سے ان کو جو قیمتیں ملتی تھیں وہ بہت کم ہوتی تھیں اور لیے ہوئے قرضے انھیں کمپنی سے باندھے رکھتے تھے۔ کرناٹک اور بنگال میں بہت سی جگہوں پر بنکروں نے اپنے گاؤں چھوڑے اور دوسرے ایسے گاووں میں کر گھے لگائے جہاں ان کے کچھ خاندانی تعلقات تھے۔ بہت سی جگہوں پر بنکروں نے گاؤں کے تاجروں کے ساتھ مل کر، کمپنی اور اس کے حکام سے جھگڑا کیا۔ بہت سے بنکروں نے قرض لینے سے انکار کرنا شروع کیا، اپنا کاروبار بند کردیا اور کھیتوں پر مزدوری کرنے لگے۔

انیسویں صدی کے اختتام پر بنکروں کے سامنے نئے نئے مسائل تھے۔

ماخذ C

پٹنہ کے کمشنر نے لکھا:

''ایسا لگتا ہے کہ بیس برس پہلے جہان آباد اور بہار میں کپڑا تیار کرنے کا کاروبار بہت زوروں پر تھا جو اوّل الذکر مقام پر بالکل بند ہوچکا ہے اور دوسری جگہ پر کام بہت محدود ہوکر رہ گیا ہے۔ یہ نتیجہ ہے مانچسٹر سے سستے اور پائیدار کپڑے کے آنے کا جس کا مقابلہ کرنا مقامی صناعوں کے بس میں نہیں ہے۔''

(بحوالہ جے کرشنا مورتی کی کتاب "Deindustrialisation in Gangetic Bihar during the nineteenth Century" دی انڈین اکنامک اینڈ سوشل ہسٹری ریویو 1985)۔

3.3 مانچسٹر ہندوستان آتا ہے

1772 میں کمپنی کے افسر ہنری پٹولو (Henry Patullo) نے یہ کہنے کی ہمت دکھائی کہ ہندوستانی کپڑے کی مانگ کبھی کم نہیں ہوسکتی کیوں کہ کوئی دوسرا ملک اس کی جیسی کوالٹی کا سامان پیدا نہیں کرتا ہے۔ پھر بھی 19 ویں صدی کے آغاز میں ہم ہندوستان سے ہونے والی کپڑے کی برآمدات میں ایک طویل زوال کی شروعات دیکھتے ہیں۔ 12-1811 میں ہندوستان کی برآمدات میں کپڑے کا حصہ 33 فی صد تھا جو 51-1850 تک گھٹ کر 3 فیصد سے زیادہ نہیں رہا۔ ایسا کیوں ہوا؟ اس کے عواقب کیا تھے؟ انگلستان میں کاٹن انڈسٹری میں ترقی ہوئی اور صنعتی گروہ دوسرے ملکوں سے ہونے والی درآمدات سے پریشان ہونے لگے۔ انھوں نے سوتی کپڑے پر محصول لگانے کے لیے حکومت پر دباؤ ڈالنا شروع کیا تاکہ باہر والوں سے کسی مقابلے کے بغیر مانچسٹر کا سامان برطانیہ میں بیچا جاسکے۔ اسی کے ساتھ صنعت کاروں نے ایسٹ انڈیا کمپنی پر برطانوی مصنوعات کو ہندوستانی مارکٹ میں بیچنے پر زور ڈالا۔ اوائل 19 ویں صدی میں برطانوی سوتی سامان کی برآمدات میں حیرت انگیز اضافہ ہوا۔ 18 ویں صدی کے آخر میں حقیقتاً ہندوستان میں سوتی کپڑے کی درآمد تھی ہی نہیں۔ مگر 1850 تک کٹ پیس سامان کی درآمد ہندوستانی درآمد کی 31 فی صد سے زیادہ مقدار میں تھی۔ 1870 میں یہ مقدار 50 فی صد سے زیادہ ہوگئی تھی۔

ماخذ D

بنکروں کی ایک کمیونٹی Koshtis کے بارے میں لکھتے ہوئے سنٹرل پراونسز کی مردم شماری رپورٹ نے بیان کیا۔

نفیس کپڑا بنانے والے ہندوستان کے دوسرے حصوں کے بنکروں کی طرح کوشتیوں پر بھی بُرا وقت آیا ہے۔ وہ مانچسٹر کے بھیجے ہوں نمائشی سامان کا مقابلہ نہیں کرسکتے ہیں، اسی لیے پچھلے کچھ برسوں سے یہ لوگ بڑی تعداد میں دوسری جگہ خصوصاً Berar گئے جہاں وہ یومیہ مزدوری پر اجرتیں حاصل کرنے کے لائق ہیں۔ (سینسس رپورٹ آف سنٹرل پراونسز 1872 سمت گوہا کی کتاب 'دی ہینڈلوم انڈسٹری ان سنٹرل انڈیا'' میں حوالہ۔ دی انڈین اکنامک اینڈ سوشل ہسٹری ریویو)

© NCERT not to be republished

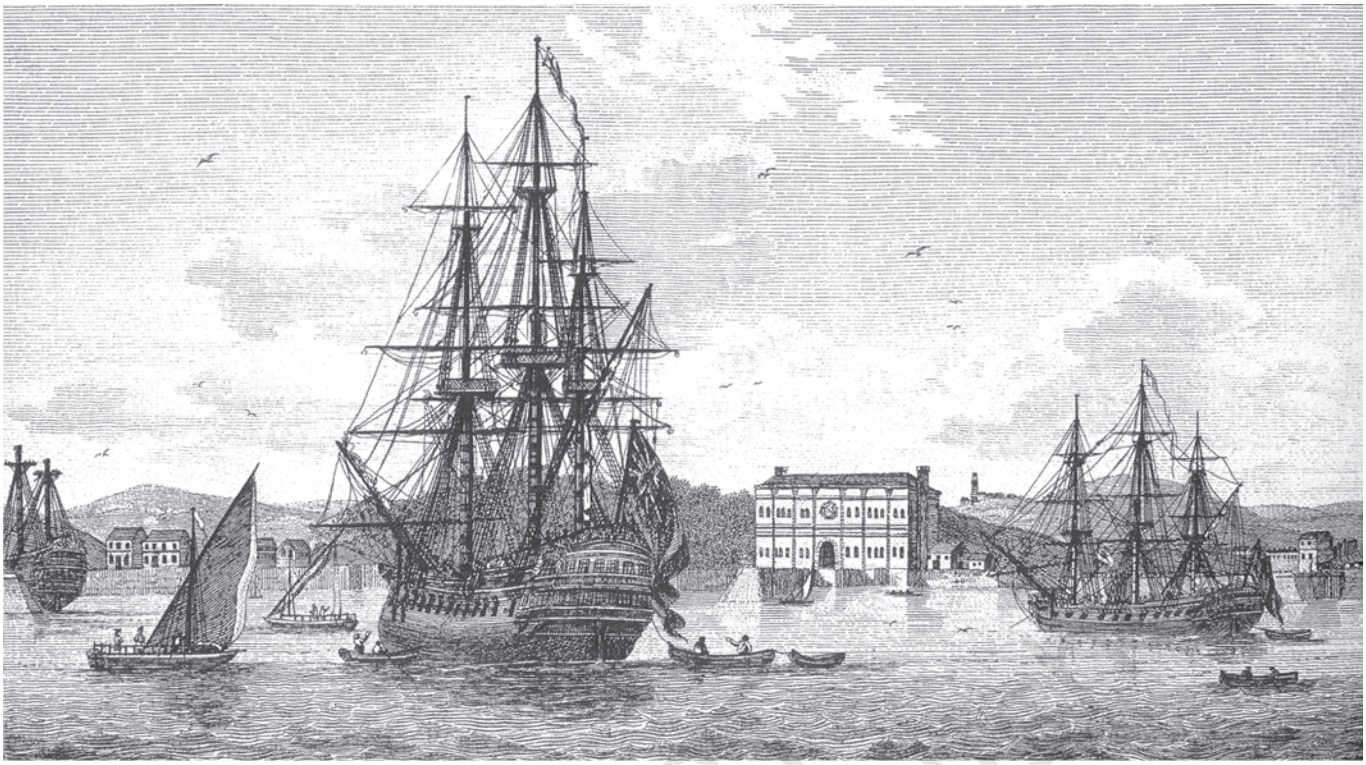

شکل 15.— بمبئی کی بندرگاہ، آخر اٹھارھویں صدی کی ایک ڈرائنگ۔ بمبئی اور کلکتے کی بندرگاہوں نے 1780 کے بعد، تجارتی بندرگاہوں کی حیثیت سے بہت ترقی کی۔ اس نے پرانے تجارتی نظام میں ابتری پیدا کی اور نوآبادیاتی معیشت کے فروغ ونشوونما کا سبب بنی۔

ہندوستان میں سوتی بنکروں نے بیک وقت دو دشواریوں کا سامنا کیا۔ ان کی برآمد کی منڈی مسمار ہوگئی اور مانچسٹر کی درآمدات کی بہتات کی وجہ سے ان کی مقامی بازار سکڑ گئی۔ درآمد کیے ہوئے سوتی کپڑے چوں کہ کم لاگت پر مشین سے بنے ہوئے ہوتے تھے جو اتنے سستے ہوتے تھے کہ ان کا مقابلہ کرنا بنکروں کے لیے آسان نہیں تھا۔ بنائی کے اکثر علاقوں سے آنے والی رپورٹوں میں 1850 تک انحطاط اور پریشان حالی کی کہانیاں تھیں۔

1860 تک بنکروں نے ایک نئی دشواری کا سامنا کیا۔ وہ اچھے قسم کی خام کپاس مناسب مقدار میں حاصل نہیں کر سکے۔ جب امریکن سول وار شروع ہوئی اور امریکہ سے روئی کی سپلائی بند ہوگئی تو برطانیہ نے ہندوستان کی طرف رخ کیا۔ ہندوستان سے خام کپاس کی برآمدات میں اضافہ ہوا اور خام کپاس کی قیمتیں بڑھ گئیں۔

ہندوستان میں بنکر سپلائی سے محروم ہونے لگے اور خام کپاس انتہائی اونچی قیمتوں پر خریدنے پر مجبور۔ ایسی صورت حال میں بنائی کا کام یہ قیمتیں نہیں دے سکا۔

پھر 19 ویں صدی کے اختتام پر بنکروں اور دستکاروں کو ایک اور دشواری کا سامنا کرنا پڑا۔ ہندوستان میں فیکٹریوں اور کارخانوں نے مال بنانا شروع کر دیا۔ اور بازار میں مشین سے بنے ہوئے سامان کی بہتات ہوگئی۔ اب بُنائی کی صنعتیں زندہ کیوں کر رہ سکتی تھیں؟

4 فیکٹریاں بنتی ہیں

پہلا کاٹن مل بمبئی میں 1854 میں بنا اور دو سال بعد اس نے سامان بنانا شروع کیا۔ 1862 تک چار مل کام کرنے لگے تھے جن میں 94,000 تکلے (spindles) اور 2,150 کرگھے لگے ہوئے تھے۔ تقریباً اسی زمانے میں کلکتے میں جوٹ مل قائم ہوئے۔ پہلا 1855 میں مکمل ہوا دوسرا سات سال بعد 1862 میں بن کر تیار ہوا۔ شمالی ہندوستان میں کانپور میں ایلگن مل 1860 میں شروع ہوا۔ اور ایک سال بعد احمد آباد کا پہلا کاٹن مل بنا۔ مدراس میں وہاں کے اسپننگ اینڈ ویونگ مل نے 1874 میں پیداوار شروع کی۔

ان صنعتوں کو شروع کس نے کیا؟ اس کے لیے سرمایہ کہاں سے آیا؟ ان ملوں میں کام کرنے کون آیا؟

شکل 16۔ جمشید جی ٹاٹا جی جی بھائی

جی جی بھائی ایک پارسی بنکر کے بیٹے تھے۔ اپنے زمانے کے دوسرے بہت سے لوگوں کی طرح وہ بھی چین کی تجارت اور شپنگ میں لگے ہوئے تھے۔ ان کے پاس جہازوں کا ایک بڑا بیڑہ تھا مگر انگریزوں اور امریکیوں سے مقابلے نے انھیں 1850 میں اپنے جہاز بیچنے پر مجبور کر دیا۔

4.1 اولین صنعتکار

مختلف علاقوں میں مختلف قسم کے لوگوں نے صنعتیں لگانی شروع کیں۔ آیئے ہم دیکھیں کہ یہ کون لوگ تھے۔ بہت سے بزنس گروپوں کی تاریخ چین سے ہونے والی تجارت تک جاتی ہے۔ جیسا کہ پچھلے سال آپ نے اپنی کتاب میں پڑھا تھا کہ آخر 18 ویں صدی سے انگریزوں نے ہندوستان سے افیون، چین برآمد کرنے اور چین سے چائے انگلستان لے جانے کا کام شروع کیا۔ بہت سے ہندوستانی اس کاروبار میں جونیر پارٹنر کی حیثیت سے شریک ہوئے۔ انھوں نے سرمایہ فراہم کیا، سپلائی کا انتظام کرنے اور مال کو جہازوں سے روانہ کرنے میں مدد کی۔ تجارت سے کمانے کے بعد، ان کاروباریوں میں سے چند کو ہندوستان میں کچھ صنعتی منصوبے شروع کرنے کا خیال آیا۔ بنگال میں دوارکا ناتھ ٹیگور نے صنعت میں سرمایہ کاری کی طرف رخ کرنے سے قبل چین کی تجارت سے بڑا پیسہ کمایا تھا۔ انھوں نے 1830 اور 1840 میں چھے جوائنٹ اسٹاک کمپنیاں قائم کیں۔ 1840 کی تجارت میں وسیع بحران میں دوسروں کے ساتھ ٹیگور کی صنعتیں بھی ڈوب گئیں۔ مگر بعد کو 19 ویں صدی میں چین سے تجارت کرنے والے کئی لوگ کامیاب صنعت کار بن گئے۔ بمبئی میں دنشاہ پیتت اور جمشید جی نوشیرواں ٹاٹا نے جنھوں نے ہندوستان میں بڑے بڑے صنعتی منصوبے شروع کیے تھے شروع میں اپنی کچھ دولت چین کی برآمدات سے اور کچھ خام کپاس انگلستان بھیج کر جمع کی تھی۔ ایک مارواڑی بزنس مین سیٹھ حکم چند نے بھی جنھوں نے 1917 میں کلکتے میں پہلا جوٹ مل لگایا تھا، چین سے تجارت کی تھی۔ یہی کچھ مشہور صنعت کار جی ڈی برلا کے والد وران کے دادا نے بھی کیا تھا۔

شکل 17۔ دوارکا ناتھ ٹیگور

دوارکا ناتھ ٹیگور کا خیال تھا کہ ہندوستان مغربیت اور صنعتیت کے ذریعے ترقی کرے گا۔ انھوں نے جہاز رانی، جہاز سازی، کان کنی، بینکنگ، پلانٹیشن اور انشورنس میں سرمایہ کاری کی۔

سرمایہ تجارت کے دوسرے سلسلوں سے بھی اکٹھا کیا گیا۔ مدراس کے کچھ تاجروں نے برما سے تجارتی کاروبار کیا، کچھ دوسرے تھے جنھوں نے مشرق وسطیٰ اور مشرقی افریقہ سے رابطے استوار

کیے۔ کمرشیل گروپ اور بھی تھے مگر یہ بیرونی تجارت سے براہ راست منسلک نہیں تھے۔ یہ گروپ ہندوستان کے اندر ہی کام کرتے تھے۔ سامان ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے تھے۔ رقموں کا لین دین (Banking money) کرتے تھے۔ شہروں کے درمیان پیسہ منتقل کرتے تھے اور تاجروں کو سرمایہ فراہم کرتے تھے۔ جب صنعتوں میں سرمایہ کاری کے مواقع فراہم ہوئے تو ان میں سے بہتوں نے فیکٹریاں لگالیں۔

ہندوستانی تجارت پر نوآبادیاتی کنٹرول زیادہ ہوتا گیا تو وہ مواقع جن میں ہندوستانی تاجر کام کر سکتے تھے روز بروز محدود ہوتے گئے۔ یورپ میں بنی ہوئی مصنوعات کی تجارت سے انھیں الگ کر دیا گیا تھا۔ انھیں زیادہ تر ان چیزوں کی برآمد کرنا ہوتی تھی جن کی برطانیہ کو ضرورت ہوتی تھی۔ مثلاً خام اشیا اور اجناس، روئی، افیون گیہوں اور نیل، انھیں آہستہ آہستہ شپنگ کے کاروبار سے بھی نکال باہر کیا گیا۔

پہلی جنگ عظیم تک حقیقت یہ ہے کہ ہندوستانی صنعت کے ایک بڑے حصے پر یوروپین مینیجنگ ایجنسیوں کا کنٹرول تھا۔ تین بڑی ایجنسیاں تھیں برڈ ہیگلر اینڈ کو، اینڈریول اور جارڈین اسکز اینڈ کو۔ ان ایجنسیوں نے سرمایہ جمع کیا، جوائنٹ اسٹاک کمپنیاں قائم کیں اور ان کا بندوبست کیا۔ اکثر موقوں پر ہندوستانی سرمایہ کاروں نے سرمایہ فراہم کیا جب کہ ساری سرمایہ کاری یوروپین ایجنسیوں نے کی اور سارے کاروباری فیصلے بھی انھوں نے ہی لیے۔ یوروپین تاجر صنعت کار اپنے اپنے چمبرس آف کامرس رکھتے تھے، جن میں شریک ہونے کی اجازت ہندوستانی کاروباریوں کو نہیں تھی۔

شکل 18۔ مہم جو منصوبوں میں ساتھی۔ جے این ٹاٹا، آر ڈی ٹاٹا، سر آر جے ٹاٹا اور سر ڈی جے ٹاٹا۔ 1912 میں جے این ٹاٹا نے ہندوستان میں، جمشید پور کے مقام پر پہلا آئرن اینڈ اسٹیل ورکس کا کارخانہ قائم کیا۔ لوہے اور فولاد کا کام ہندوستان میں ٹکسٹائل کے کاروبار کے بہت بعد شروع ہوا۔ نوآبادیاتی ہندوستان میں صنعتی مشینیں، ریلوے اور انجن عموماً درآمد کیے جاتے تھے۔ اسی لیے کیپٹل گڈس کی صنعتیں حقیقتاً آزادی سے قبل کسی قابل ذکر پیمانے پر شروع نہیں ہوسکیں۔

4.2 کام کرنے والے کہاں سے آئے؟

فیکٹریوں کو کام کرنے والوں کی ضرورت تھی۔ فیکٹریوں کی تعداد بڑھنے سے یہ مانگ بھی بڑھی۔ 1901 میں ہندوستانی فیکٹریوں میں مزدوروں کی تعداد 5,84,000 تھی۔ 1946 تک یہی تعداد 24,36,000 ہوگئی۔ یہ مزدور آئے کہاں سے؟

زیادہ تر صنعتی علاقوں میں مزدور قرب و جوار کے شہروں سے آئے۔ جن کسانوں اور دستکاروں کو گاؤں میں کوئی کام نہ مل سکا وہ کام کی تلاش میں صنعتی مراکز کی طرف گئے۔ 1911 میں بمبئی کی کاٹن انڈسٹریز میں پچاس فی صد سے زیادہ مزدور پڑوس کے شہر رتنا گری سے آئے تھے۔ جب کہ کان پور کے ملوں کو کپڑے کی صنعت میں کام کرنے والے مزدور کان پور ضلع کے گاؤں سے ملے۔ ملوں میں کام کرنے والے مزدور گاؤں اور شہر کے بیچ میں آتے جاتے رہتے تھے۔ تہواروں اور فصلوں کی کٹائی کے وقت وہ اپنے گاؤوں میں اپنے گھر آجاتے تھے۔

شکل 19۔ بمبئی کے ایک مل کے نوجوان مزدور اوائل بیسویں صدی
مزدور اپنے گاؤں کے گھروں میں واپس جاتے تھے تو انھیں اچھے اچھے کپڑے پہننا اچھا لگتا تھا۔

ملازمت کی خبر جیسے جیسے پھیلتی تھی، مزدور ملوں میں کام ملنے کی توقع میں دور دراز کی مسافتیں طے کر کے آتے تھے۔ مثال کے طور پر متحدہ صوبہ جات سے یہ لوگ بمبئی کے کاٹن ملوں اور کلکتے کے جوٹ ملوں میں گئے۔ کام ملنا ہمیشہ سے مشکل تھا حتیٰ کہ اس وقت بھی جب مل بے شمار ہوئے اور مزدوروں کی ضرورت اور مانگ میں بھی اضافہ ہوا۔ کام تلاش کرنے والوں کی تعداد ملنے والے کاموں کے مقابلے میں ہمیشہ زیادہ رہتی تھی۔ ملوں میں داخلہ بھی محدود تھا صنعت کار عموماً نئی بھرتی کے لیے ایک دلال (Jobber) ملازم رکھتے تھے۔ عام طور پر یہ کام کرنے والا کوئی پرانا اور قابل اعتماد ملازم ہوتا تھا۔ وہ اپنے گاؤں سے آدمی لاتا تھا، ان کو کام دلاتا تھا شہر میں قیام میں ان کی مدد کرتا تھا اور ضرورت پڑنے پر ان کے لیے روپیے پیسے کا انتظام بھی کر دیتا تھا۔ اسی لیے یہ دلال (Jobber) ایک بااختیار اور اثر و رسوخ والا آدمی ہو جاتا تھا۔ اس نے بھی اپنے احسانوں اور مزدوروں کی دیکھ بھال کے لیے روپیے اور تحفے تحائف کا مطالبہ شروع کر دیا۔

وقت کے ساتھ ساتھ فیکٹریوں میں کام کرنے والوں کی تعداد بڑھی۔ مگر بہر حال جیسا کہ آپ دیکھیں گے، کہ یہ مزدور بحیثیت مجموعی کل صنعتی کارکنوں کے تناسب میں کم ہی تھے۔

شکل 20۔ ایک مکھیا دلال
انداز اور کپڑوں کو دیکھیے جو دلال کی پوزیشن اور اس کے اختیارات کو ظاہر کرتے ہیں۔

ماخذ E

وسنت پارکر جو ایک زمانے میں بمبئی میں ایک مل کے مالک تھے کہتے ہیں:
''مزدور اپنے لڑکوں کو مل میں نوکری دلانے کے لیے ان دلالوں کو روپیہ دیتے تھے۔ مل مزدور اپنے گاؤں سے جسمانی طور پر بھی اور جذباتی طور پر بھی بڑا تعلق رکھتے تھے۔ وہ فصل کاٹنے اور بونے کے لیے گھر جاتے تھے۔ کوکنی گھر جاتے دھان اور گھٹی اور ایکھ کاٹنے۔ یہ طریقہ مانا ہوا طریقہ تھا۔ جس کے لیے مل بھی چھٹی دیتے تھے۔''
(بینا مینن اور نیرا اڈارکر۔ ون ہنڈریڈ ایئرز ون تھاؤزنڈ وائسز 2004)

ماخذ F

بھائی بھوسلے، بمبئی کے ایک ٹریڈ یونینسٹ نے 1930 اور 1940 میں اپنے بچپن کو یاد کیا۔ ''ان دنوں کام کی شفٹ دس گھنٹوں کی تھی۔ 5 بجے رات سے 3 بجے سہ پہر تک۔ بھیانک کام کے گھنٹے۔ میرے پتا جی نے 35 برس کام کیا۔ انھیں استھما قسم کی کوئی بیماری ہو گئی پھر وہ اور کام نہ کر سکے...... میرے پتا جی گاؤں واپس لوٹ گئے۔''
(بینا مینن اور نیرا اڈارکر، ون ہنڈریڈ ایئرز ون تھاؤزنڈ وائسز)

شکل 21۔ کتائی کرنے والی مزدور عورتیں کام پر۔ احمد آباد مل میں
اسپننگ کے شعبے میں زیادہ تر عورتیں کام کرتی تھیں۔

© NCERT not to be republished

5 صنعتی فروغ ونشوونما کی انوکھی خصوصیات

یوروپین مینجنگ ایجنسیاں، جن کا ہندوستان میں صنعتی پیداوار پر غلبہ تھا کچھ خاص قسم کی مصنوعات میں دل چسپی رکھتی تھی۔ انھوں نے چائے اور کافی کے باغات لگائے، ان باغوں کے لیے نوآبادیاتی حکومت سے سستے داموں پر زمینیں لیں اور کان کنی نیل اور جوٹ کے کاروبار میں سرمایہ لگایا۔ ان میں سے زیادہ تر پیداواروں کی ضرورت بنیادی طور پر برآمدی تجارت کے لیے تھی ہندوستان میں بیچنے کے لیے نہیں۔

انیسویں صدی کے آخر میں جب ہندوستانی کاروباریوں نے صنعتیں قائم کرنا شروع کیں تو انھوں نے ہندوستانی بازاروں میں مانچسٹر کی مصنوعات سے مقابلے سے احتراز کیا۔ چونکہ دھاگا برطانوی درآمد کا کوئی اہم حصہ نہیں تھا۔ اس لیے شروع میں کاٹن ملوں نے ہندوستان میں کپڑے کے بجائے موٹا سوتی دھاگا بنایا۔ اگر کبھی دھاگا درآمد بھی کیا گیا تو وہ ہمیشہ اعلیٰ قسم کا دھاگا ہوتا تھا۔ کتائی کے ہندوستانی ملوں میں تیار ہونے والا دھاگا ہندوستان میں کرگھے پر کام کرنے والے بنکر استعمال کرتے تھے یا پھر اسے چین برآمد کیا جاتا تھا۔

بیسویں صدی کی پہلی دہائی تک ہونے والی بہت سی تبدیلیوں نے صنعتکاری کے انداز پر اثر ڈالا۔ سودیشی کی تحریک میں تیزی آئی اور قوم پرستوں نے بدیسی کپڑے کا بائیکاٹ کرنے کے لیے لوگوں کو تیار کرنا شروع کیا۔ صنعتی گروپوں نے اپنے مشترکہ مفادات کی حفاظت کے لیے حکومت پر محصولی تحفظ کو بڑھانے اور کچھ مزید رعایتیں دینے کے لیے دباؤ ڈالنا شروع کیا۔ 1906 سے مزید یہ ہوا کہ ہندوستانی دھاگے کی چین کو جانے والی برآمدات میں انحطاط آیا۔ وجہ یہ تھی کہ چین اور جاپان کے ملوں کی مصنوعات سے چین کے بازاروں میں ایک سیلاب سا آ گیا تھا۔ چنانچہ ہندوستان میں صنعت کاروں نے دھاگا بنانے کے بجائے کپڑا تیار کرنے پر اپنی توجہ کو منتقل کرنا شروع کردیا۔ 1900 اور 1912 میں کپڑے سے بنی ہوئی اشیا کی پیداوار دوگنی ہوگئی۔

شکل 22۔ مدراس چیمبرس آف کامرس کا پہلا دفتر
انیسویں صدی کے آخر میں مختلف علاقوں میں تاجروں نے بزنس کو منظم کرنے اور تشویش سے متعلق مشترکہ مسائل کو طے کرنے کے لیے چیمبرس آف کامرس بنانے شروع کیے۔

پھر بھی پہلی عالمی جنگ تک صنعتی نشوونما کی رفتار سست ہی تھی۔ جنگ نے ایک بالکل نئی صورت حال پیدا کردی۔ برطانوی ملوں کی جنگی ضروریات کو پورا کرنے میں مصروفیت کی وجہ سے مانچسٹر سے ہندوستان آنے والی درآمدات میں بھی زوال آیا۔ ہندوستانی ملوں کے سامنے سامان سپلائی کرنے کے لیے اچانک وسیع گھریلو منڈی آ گئی۔ جنگ طویل ہوئی، ہندوستانی ملوں سے بھی جنگ کی ضرورتوں سے متعلق سامان جیسے جوٹ کی تھیلیوں فوجی یونی فارم کے لیے کپڑے چھولداریوں اور چمڑے کے جوتوں۔ گھوڑوں اور خچروں کی زینوں اور

© NCERT not to be republished

بہت سی دوسری متعدد چیزوں کی سپلائی کا مطالبہ ہوا۔ نئے کارخانے لگے پرانی فیکٹریوں کو کئی کئی شفٹوں میں کام کرنا پڑا۔ بڑی تعداد میں نئے مزدور بھرتی کیے گئے، مزدوروں کو زیادہ زیادہ دیر تک کام کرنا پڑا۔ جنگ کے برسوں میں صنعتی پیداوار میں زبردست اضافہ ہوا۔

جنگ کے بعد، مانچسٹر، ہندوستانی مارکٹ میں اپنی پچھلی پوزیشن کو پھر کبھی حاصل نہ کرسکا۔ امریکہ، جرمنی اور جاپان سے مقابلے اور اپنے آپ جدید تر بنانے کے لائق نہ ہوسکنے کی وجہ سے، جنگ کے بعد برطانیہ کی اقتصادیات کی شکست وریخت ہوگئی۔ کپاس کی پیداوار میں شدید گراوٹ آئی اور برطانیہ سے سوتی کپڑے کی برآمدات میں بھی زبردست زوال ہوا۔ نوآبادیوں میں مقامی صنعت کاروں نے اپنی حیثیت کو مستحکم کیا۔ بیرونی مصنوعات کا متبادل فراہم کیا اور گھریلو منڈی پر قبضہ کرلیا۔

5.1 چھوٹے پیمانے کی صنعتیں حاوی ہوتی ہیں

ایک طرف جب جنگ کے بعد فیکٹری والی صنعتوں نے بتدریج ترقی کی، بڑی صنعتیں معیشت کا محض ایک چھوٹا حصہ رہ گئیں۔ ان میں سے زیادہ تر 1911 میں تقریباً 67 فی صد بنگال اور بمبئی میں تھیں۔ باقی ملک میں چھوٹے پیمانے پر ہونے والی پیداوار نے اپنا غلبہ بدستور رکھا۔ صنعتی مزدوروں کی چھوٹی سی تعداد نے رجسٹرڈ فیکٹریوں میں کام کیا۔ 1911 میں 5 فی صد اور 1931 میں 15 فی صد۔ باقی لوگوں نے اُن چھوٹے چھوٹے ورک شاپس اور گھریلو یونٹوں میں کام کیا جو عموماً گزرنے والوں کی نظروں سے اوجھل گلی کوچوں میں چلتے تھے۔

بعض مثالیں ایسی ہیں کہ حقیقتاً دستکاریوں کی پیداوار 20 ویں صدی میں بڑھ گئی تھی۔ یہ ہینڈلوم کے اس شعبہ کے بارے میں بھی صحیح ہے جس کے بارے میں ہم بات کر چکے ہیں۔

مشین سے بنے ہوئے سستے دھاگے نے 19 ویں صدی میں کتائی صنعت کا صفایا کردیا۔ مگر بنکر دشواریوں کے باوجود زندہ رہے۔ 20 ویں صدی میں کرگھوں سے بنے ہوئے کپڑے کی پیداوار میں بتدریج اضافہ ہوا اور یہ 1900 اور 1940 کے درمیان تقریباً تین گنی ہوگئی۔

شکل.23— ہاتھ سے بنا ہوا کپڑا
ہاتھ سے بنے ہوئے کپڑوں کے نفیس اور پیچیدہ ڈیزائنوں کو نقل کرنا ملوں کے لیے آسان نہیں تھا۔

یہ ہوا کیسے؟

جزوی طور پر تو اس کا سبب ٹکنالوجی کی تبدیلیاں تھیں۔ دستکار نئی ٹکنالوجی کو اپناتے ہیں اگر وہ قیمتوں کو بہت زیادہ بڑھائے بغیر پیداوار کو بہتر کرتی ہے۔ اسی لیے ہم بیسویں صدی کی دوسری دہائی میں بنکروں کو فلائی شٹل استعمال کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ اس طریقے نے فی مزدور پیداوار کی رفتار بھی بڑھائی اور مزدوروں کی ضرورت کم ہوجانے کی وجہ سے ان کی مانگ بھی کم کردی۔ 1941 تک ہندوستان میں 35 فی صد سے زیادہ کرگھوں میں فلائی شٹل لگ چکے تھے۔ ٹراونکور، مدراس، میسور، کوچین اور بنگال جیسے علاقوں میں یہ تناسب 70 اور 80 فی صد تک تھا۔ اس کے علاوہ دوسری اور چھوٹی چھوٹی اختراعات تھیں جنھوں نے اپنی پیداوار کو بہتر کرنے اور ملوں سے مقابلہ کرنے میں بنکروں کی بڑی مدد کی۔

بنکروں کے کچھ گروپ دوسرے گروپوں کے مقابلے میں مل انڈسٹری سے مقابلہ آرائی

نئے الفاظ

فلائی شٹل۔ بُنائی کے لیے یہ ایک میکانکی مشین جیسا آلہ ہے جسے رسیوں اور پلیوں سے چلایا جاتا ہے۔ یہ تانے بانے میں افقی دھاگوں کو عمودی دھاگوں کے درمیان ڈالتا ہے۔ فلائی شٹل کی ایجاد نے بنکروں کے لیے بڑے کرگھے کے استعمال کو اور بڑے اور چوڑے سائز میں کپڑا بننا ممکن کردیا۔

© NCERT not to be republished

کے لیے زیادہ اچھی پوزیشن میں تھے۔ بنکروں میں سے کچھ موٹا کپڑا بناتے تھے اور کچھ نفیس قسمیں تیار کرتے تھے۔ موٹا کپڑا غریب غربا خریدتے تھے اور اس کی مانگ میں زبردست اتار چڑھاؤ آتے تھے۔ خراب فصلوں اور قحط کے زمانے میں جب دیہی علاقوں کے غریبوں کے پاس کھانے تک کے لیے کچھ نہیں ہوتا تھا اور ان کی نقد آمدنیاں ختم ہو جاتی تھیں تب ان کے لیے کپڑا خریدنا ممکن ہی نہیں ہوتا تھا۔ اس کے مقابلے میں نفیس کپڑے کی مانگ، جسے کھاتے پیتے لوگ خریدتے تھے نسبتاً زیادہ مستحکم رہتی تھی۔ یہ لوگ اس وقت بھی خریداری کر سکتے تھے جب غریب روٹی کو ترس رہا ہوتا تھا۔ قحط اور ناکامی نے، بنارسی اور بلوچاری ساریوں کی خرید و فروخت پر کبھی کوئی اثر نہیں ڈالا۔ مزید یہ کہ، جیسا کہ آپ نے دیکھا ہے کہ مل مخصوص بُنائی اور خصوصی ڈیزائن کے کپڑوں کی نقل نہیں کر سکے، بُنے ہوئے کناروں والی ساریوں، مدراس کی مشہور لنگیوں اور رومالوں کی جگہ ملوں کی مصنوعات نہیں لے سکیں۔

بنکر اور دستکار جنھوں نے بیسویں صدی کے دوران اپنی مصنوعات کی پیداوار کے سلسلے کو جاری رکھا تھا، وہ یقینی طور پر خوشحال نہیں ہوئے۔ انھوں نے بڑی سخت زندگی گزاری اور بڑی مشقت کی۔ خاندان کے ہر فرد کو، بشمول عورتیں اور بچے۔ مصنوعات کی تکمیل کے عمل کے مختلف مرحلوں میں اکثر کام کرنا پڑا۔ مگر پھر بھی یہ لوگ فیکٹریوں اور کارخانوں کے عہد میں محض ماضی کی باقیات نہیں تھے، ان کی زندگی اور ان کی محنت، صنعتکاری کے عمل کا ایک جزو لاینفک تھی۔

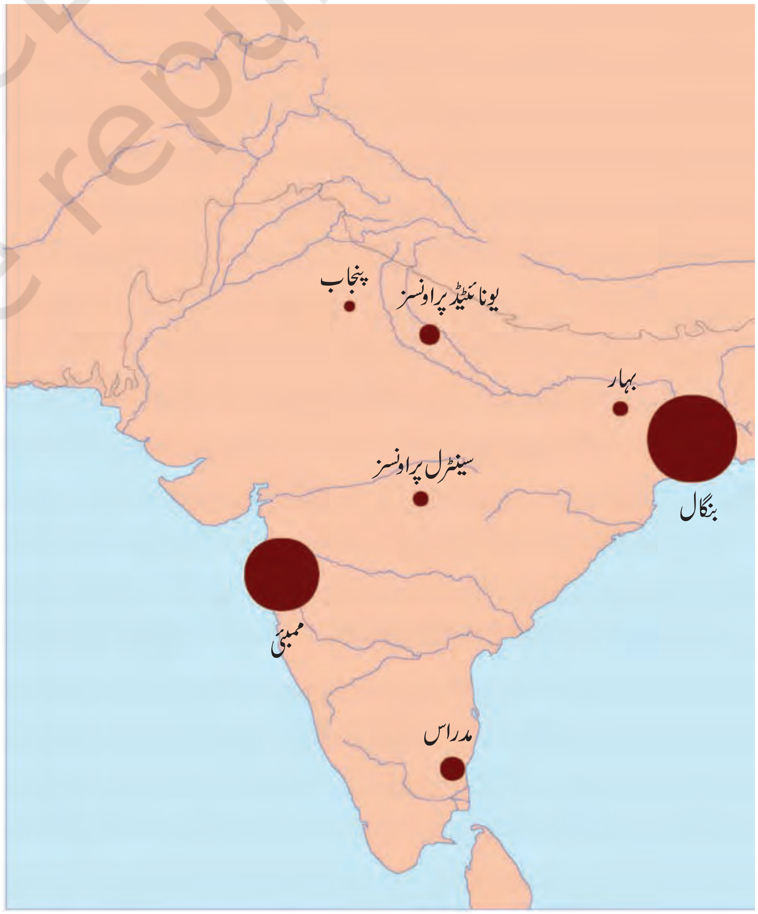

شکل 24.—ہندوستان میں وہ مقامات جہاں بڑے پیمانے کی انڈسٹریز تھیں۔1931

دائرے مختلف علاقوں میں صنعتوں کے سائز بتاتے ہیں۔

© NCERT not to be republished

6 اشیا کے لیے منڈی

شکل 25۔ گرائپ واٹر کیلنڈر 1928 ایم وی دھرندر۔ بچوں کے لیے بننے والی چیزوں کے اشتہار کے لیے بے بی کرشنا کی شبیہہ کا استعمال بہت عام تھا۔

ہم نے دیکھا ہے کہ برطانوی کارخانہ داروں نے ہندوستانی منڈی پر قبضہ جمانے کی کوشش کیسے کی۔ ہندوستانی بنکروں دستکاروں تاجروں اور صنعت کاروں نے نوآبادیاتی کنٹرول اور تسلط کی مزاحمت کی محصولات کے ذریعہ تحفظ کا مطالبہ کیا۔ اپنے لیے خود اپنی جگہیں پیدا کیں اور اپنی مصنوعات کے لیے مارکٹ کو وسعت دینے کی کوشش کی۔

مگر جب نئی مصنوعات بنتی ہیں تو انھیں خریدنے کے لیے لوگوں کو اکسانا ہوتا ہے انھیں ترغیب دینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ سب کیسے کیا گیا؟

نئے خریدار پیدا کرنے کا ایک طریقہ تو اشتہارات ہیں۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ اشتہارات مصنوعات کو پسندیدہ اور ضروری بناتے ہیں۔ یہ لوگوں کے ذہنوں کو تیار کرتے ہیں اور مصنوعات کی ضرورت کا احساس دلاتے ہیں۔ آج ہم ایک ایسی دنیا میں رہ رہے ہیں جہاں ہمارے چاروں طرف اشتہار ہی اشتہار ہیں۔ یہ اخباروں اور رسالوں میں چھپتے ہیں، اشتہاری تختوں پر ہوتے ہیں، سڑکوں پر دیواروں پر لکھے ہوئے ہوتے ہیں۔ ٹیلی ویژن میں دکھائے جاتے ہیں۔ لیکن اگر ہم مڑ کر تاریخ پر نظر ڈالیں تو ہم دیکھیں گے کہ صنعتی عہد کے آغاز ہی سے اشتہارات نے مصنوعات کے بازار کو وسعت دینے اور صارفین کے نئے کلچر کی تشکیل میں ایک کردار ادا کیا ہے۔

جب مانچسٹر کے صنعت کاروں نے اپنا کپڑا ہندوستان میں بیچنا شروع کیا تو انھوں نے بنڈلوں پر لیبل چسپاں کیے۔ یہ ان لیبلوں کی ضرورت سامان بننے کے مقام اور کمپنی کو خریدار کے لیے مانوس بنانے کے لیے ہوتی تھی۔ لیبل سامان کی کوالٹی کی علامت بھی ہوتے تھے۔ خریدار جب لیبل پر موٹے موٹے حروف میں 'Made in Manchester' لکھا ہوا دیکھتا تھا تو توقع کی

شکل 26(a)۔— مانچسٹر لیبل، اوائل 20 ویں صدی۔ منڈی میں آنے والے سامان کی کوالٹی کی تصدیق کرتے ہوئے درآمد کیے ہونے کپڑے پر کارتک، لکشمی اور سرسوتی جیسی ہندوستانی دیوی دیوتاؤں کی تصویریں لیبل پر ہوتی تھیں۔

شکل 26(b)۔— مانچسٹر کے ایک لیبل پر مہاراجہ رنجیت سنگھ۔ مصنوعات کا وقار اور احترام بڑھانے کے لیے تاریخی شبیہیں بھی لیبل پر ہوا کرتی تھیں۔

© NCERT not to be republished

جاتی تھی کہ کپڑا خریدنے میں اسے زیادہ بھروسہ ہوگا۔

لیبلوں پر صرف الفاظ یا کوئی عبارت ہی نہیں ہوتی تھی ان میں تصویریں بھی ہوتی تھیں اور اچھی بنی ہوئی تصویریں ہوتی تھیں۔ اگر ہم ان لیبلوں کو غور سے دیکھیں تو ہمیں، کارخانے داروں کی سوچ ان کے منصوبوں اور لوگوں کو اپیل کرنے کے ان کے طریقوں کا وافر علم ہوسکتا ہے۔

ان لیبلوں پر ہندوستانی دیوی دیوتاؤں کی شبیہیں بڑی پابندی سے ہوا کرتی تھیں۔ انھیں دیکھ کر کچھ ایسا لگتا تھا کہ جیسے دیوی دیوتاؤں سے یہ تعلق، فروخت کیے جانے والے سامان کی منظوری کی تصدیق کردیتا تھا۔ کرشنا یا سرسوتی کی ان چھپی ہوئی شبیہوں کا مقصد ایک بیرونی ملک کے کارخانہ دار کو ہندوستانیوں کے لیے مانوس ظاہر کرنا بھی ہوتا تھا۔

آخر 19 ویں صدی میں کارخانے دار، اپنے سامان کو مقبول بنانے کے لیے کیلنڈر بھی چھاپنے لگے تھے۔ اخباروں اور رسالوں کے برعکس کیلنڈر وہ لوگ بھی استعمال کرتے تھے جو پڑھ نہیں سکتے تھے۔ یہ کیلنڈر، چائے خانوں اور غریبوں کے گھروں میں بھی ہوتے تھے دفتروں اور متوسط طبقے کے لوگوں کے مکانوں میں بھی۔ جو لوگ ان کیلنڈروں کو اپنے یہاں لٹکاتے تھے انھیں سارے سال روز ہی یہ اشتہارات دیکھنے پڑتے تھے ان کیلنڈروں میں بھی ہم نئی مصنوعات بیچنے کے لیے دیوی دیوتاؤں کی شبیہوں کو استعمال ہوتا ہوا دیکھتے ہیں۔

دیوی دیوتاؤں کی شبیہوں کی طرح اہم شخصیتوں، بادشاہوں اور نوابوں کی تصویریں بھی اشتہارات اور کیلنڈروں کو زینت بخشتی تھیں۔ پیغام عموماً یہ ہوتا تھا ''اگر آپ شاہانہ شخصیت کا احترام کرتے ہیں تو اس چیز کی بھی عزت کیجیے۔'' جب مصنوعات کو بادشاہ استعمال کررہے ہوں یا وہ شاہی حکم پر بنائی جارہی ہوں تو ان کی کوالٹی پر سوال نہیں اٹھائے جاسکتے۔

جب ہندوستانی کارخانہ داروں نے اشتہارات دیے تو قوم پرست پیغام صاف اور واضح تھا۔ یعنی اگر آپ کو ملک کی پرواہ ہے تو ان چیزوں کو خریدیے جو ہندوستانی بناتے ہیں۔ اشتہارات سودیشی کے قوم پرستانہ پیغام کو پھیلانے کا ایک ذریعہ بن گئے۔

شکل 27۔ سن لائٹ سوپ کیلنڈر، 1934
یہاں لارڈ وشنو کو آسمانوں سے سورج کی روشنی کو لاتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔

شکل 28۔ ہندوستانی مل کے کپڑے کا ایک لیبل۔ ایک دیوی، احمد آباد کے ایک مل کمپنی کے بنائے ہوئے کپڑے پیش کرتی ہوئی اور لوگوں سے ہندوستان میں بنی ہوئی چیزوں کو استعمال کرنے کے لیے کہتی ہوئی۔

ماحصل

صنعتوں کے عہد کا مطلب بالکل واضح طور پر ٹکنالوجی میں تبدیلی، کارخانوں میں اضافہ اور صنعتی مزدوروں کی نئی کھیپ کا وجود میں آنا تھا۔ مگر بہر حال جیسا کہ آپ نے دیکھا ہے کہ دستکاری اور چھوٹے پیمانے پر ہونے والی پیداوار، صنعتی منظرنامے کا حصہ بدستور رہی ہے۔

شکل 1 اور شکل 2 کو ایک بار پھر دیکھیے ان شبیہوں کے بارے میں اب آپ کیا کہیں گے جو ان میں پیش کی گئی ہیں؟

اختصار کے ساتھ لکھیے

1۔ مندرجہ ذیل کی وضاحت کیجیے؟

(a) برطانیہ میں، اسپننگ جینی پر مزدور عورتوں نے حملہ کیا۔

(b) سترھویں صدی میں یوروپ کے شہروں کے تاجروں نے گاؤں سے ہی کسانوں اور دست کاروں کو بھرتی کرنا شروع کیا۔

(c) سورت کی بندرگاہ اٹھارھویں صدی کے آخر میں انحطاط کا شکار ہوئی۔

(d) ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان میں بنکروں پر نظر رکھنے کے لیے گماشتے مقرر کیے۔

2۔ ہر بیان کے سامنے صحیح یا غلط لکھیے

(a) 19 ویں صدی کے آخر میں یوروپ میں مزدوروں کی مجموعی تعداد کا 80 فی صد اس صنعتی شعبہ میں ملازم تھا جو ٹکنالوجی کے اعتبار سے ترقی یافتہ شعبہ تھا۔

(b) نفیس کپڑے کی بین الاقوامی مارکٹ پر 18 ویں صدی تک ہندوستان کا غلبہ تھا۔

(c) امریکن سول وار کا نتیجہ، ہندوستان سے کپاس کی برآمد میں کمی کی صورت میں نکلا۔

(d) فلائی شٹل کے آجانے سے کرگھوں پر کام کرنے والے اپنی پیداواریت کو بہتر کرنے کے لائق ہو گئے۔

3۔ Proto-Industrialisation سے کیا مراد ہے؟ وضاحت کیجیے۔

اختصار کے ساتھ لکھیے

تبادلۂ خیال کیجیے

1۔ 19 ویں صدی کے یورپ میں بعض صنعت کاروں نے مشینوں کے مقابلے میں ہاتھ سے کام کرنے والے مزدوروں کو کیوں ترجیح دی؟

2۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستانی بنکروں سے سوتی اور ریشمی کپڑوں کی باقاعدہ سپلائی کس طرح حاصل کی؟

3۔ ذرا تصور کیجیے کہ آپ سے ایک انسائیکلوپیڈیا کے لیے برطانیہ اور کپاس کی تاریخ کے بارے میں ایک مضمون لکھنے کے لیے کہا گیا ہے۔ پورے باب میں دی گئی معلومات کو استعمال کرتے ہوئے اپنا مضمون لکھیے۔

4۔ پہلی عالمی جنگ کے دوران ہندوستان میں صنعتی پیداوار میں اضافہ کیوں ہوا؟

تبادلۂ خیال کیجیے

پروجیکٹ

اپنے علاقے کی کسی ایک انڈسٹری کا انتخاب کیجیے اور اس کی تاریخ معلوم کیجیے۔ ٹکنالوجی کیوں کر بدلی؟ مزدور کہاں سے آتے ہیں؟ مصنوعات کا اشتہار کیسے ہوتا ہے اور وہ فروخت کیسے ہوتی ہیں؟ انڈسٹری کی تاریخ کے بارے میں مزدوروں اور مالکوں کے خیالات معلوم کرنے کے لیے ان سے بات کرنے کی کوشش کیجیے۔

پروجیکٹ

© NCERT not to be republished